جامعہ
جامعہ ملیہ کا ماہوار علمی و ادبی رسالہ
جلد ۱۹
بابت ماہ اگست ۱۹۳۲ع
نمبر ۲
مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
1927

زیر ادارت

مولانا اسلم جیراجپوری — ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی

نمبر ۲	بابتہ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۲ع	جلد ۱۹

فہرست مضامین

صفحہ

(محمد مجیب بی اے آکسن پرنٹر پبلشر نے دفتر رسالہ جامعہ قرول باغ دہلی سے شائع کیا)

سیرتِ محمد علیؒ کے چند ورق

مکتبہ جامعہ کی طرف سے میں نے سیرۃ محمد علی لکھی ہے جو مکمل ہو چکی ہے، اور عنقریب پریس میں جانیوالی ہے، کتاب کے دو حصہ ہیں، دوسرے حصہ کا پہلا باب ناظرین جامعہ کی خدمت میں پیش ہے۔

رئیس احمد جعفری

ملازمت

پہلے حصہ میں محمد علی کی سیرۃ کا وہ مرقع پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس میں محمد علی کے وہ خد و خال نمایاں ہو سکیں جن کا تعلق ان کی ذاتی زندگی سے تھا یعنی اخلاق و عادات افتادِ طبع اور رنگ مذاق، ابتدائی نشو و نما وغیرہ

لیکن اس حصہ میں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ محمد علی کی عملی زندگی کن کن صبر آزما ادوار سے گذری، ان کو ملک و قوم کی خدمت کی راہ میں کیسے کیسے ہمت شکن حالات و مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اور ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اپنی بے نظیر قوت عمل، قوت فیصلہ، اور قوت تدبیر سے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟ نیز ان کی عملی زندگی کی ابتدا کس طرح ہوئی، اور کس طرح رفتہ رفتہ وہ "مسٹر" محمد علی سے "مولٰنا" محمد علی ہو گئے؟ اس سلسلہ میں تلاش و تفحص سے جو کچھ مل سکا وہ حاضر ہے،

انگلستان سے واپسی | سول سروس کے امتحان میں ناکامی کے بعد محمد علی واپس بلائے گئے اور رام پور میں ان کی شادی کر دی گئی، اب وہ تلاش معاش میں سرگرداں ہونے ہی والے تھے کہ ایک بار ان کے برادر بزرگ مولٰنا شوکت علی نے پھر ہمت کی اور انھیں دوبارہ انگلستان بھیجا تاکہ وہ بی اے کی ڈگری آکسفورڈ یونیورسٹی سے حاصل کر سکیں،

انسپکٹر جنرل تعلیمات رامپور | وہاں سے قابل رشک کامیابی کے ساتھ وہ واپس آئے اور نواب صاحب رامپور نے انھیں اپنی ریاست میں سب سے بڑا افسر تعلیمات بنا دیا اور اسی کے ساتھ رام پور ہائی اسکول

حیرت انگیز ذہانت | محمد علی وہاں کی زبان سے ناآشنائے محض تھے اس لئے ان کے تقرر کے وقت یہ شرط بھی لگادی گئی تھی کہ جب تک وہ وہاں کی زبان سے واقف نہ ہو جائیں اور عرائض وغیرہ خود نہ سمجھ سکیں، اس وقت تک فیصلہ پر محمد علی کے ساتھ ایک دوسرے افسر کے دستخط بھی ہوا کریں تاکہ کسی قسم کی غلطی نہ ہونے پائے، محمد علی اس شرط کو اپنے اوپر ایک پابندی خیال کرتے تھے، اس لئے انہوں نے چند ہی مہینے کے اندر اس زبان پر اتنی دسترس حاصل کرلی کہ عرائض وغیرہ کو پورے طور سے سمجھنے لگے' اس کے بعد وہ شرط منسوخ ہو گئی۔

کارگزاری | محمد علی نے وہاں جاتے ہی اپنی کارگزاری اور مستعدی کے حیرت انگیز ثبوت دینا شروع کئے، محمد علی نے بڑودہ میں کم وبیش سات سال تک ملازمت کی اور ۱/۲ ۴ سال کی قلیل مدت میں انہوں نے سترہ لاکھ کا خالص منافع کرایا جو گذشتہ سالوں کے منافع سے دو ہزار پندرہ فی صدی کی تعداد میں زیادہ تھا'

یہ غیر معمولی کارگزاری اور حسن انتظام کا کارنامہ ایسا تھا کہ جس نے مہاراجہ کی نظر میں محمد علی کو اور زیادہ وقیع' اور زیادہ محبوب بنادیا اور "گیکواڑ بڑودہ" کی شفقتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں چنانچہ اسی کارگزاری کے صلہ میں محمد علی کو ضلع نوساری کا کمشنر مقرر کردیا گیا۔

نوساری کی کمشنری | اس منصب جلیل پر پہونچکر محمد علی کی قوت عمل میں اور اضافہ ہوگیا' یہاں انہوں نے متعدد اصلاحات نافذ کیں، اور خصوصاً گراں قیمت پر زمین خریدنے کے متعلق غربا پر جو ظلم ہو رہا تھا' اس کا پورے طور سے استیصال اور قلع قمع کر دیا' اس کارروائی نے انہیں اور زیادہ مقبول' ہردل عزیز' اور لوگوں کی نظروں میں محبوب بنادیا۔

دیانت اور امانت | مدیر انقلاب کا بیان ہے کہ:۔

" دوران ملازمت میں آپ کی دیانت اور امانت کے متعدد ثبوت ملے شلاً ایک دفعہ ایک ٹھیکے کے سلسلہ میں آپ کو ایک بہت بڑی رقم بطور ہدیہ مل رہی تھی' آپ کو بتایا گیا کہ یہ ریاست کا ایک دستور قدیم ہے اور سب افسر اس قسم کے ہدایا قبول کر لیا کرتے ہیں لیکن آپ نے بہت

سختی سے انکار کر دیا، بلکہ دوسرے افسروں کو بھی اس "لقمہ تر" کے اگلنے پر مجبور کیا،

نوساری کی کمشنری کے زمانے میں دولت مند اور ذی اثر پارسیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زمین کی جبری خریداری کے دستور قدیم کو قائم رکھنے کی استدعا کی لیکن آپ نے فرمایا کہ جب ظلم معلوم ہو جائے تو پھر مجھ سے اس کی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی۔

پرسنل اسسٹنٹ | اس کے بعد محمد علی ولی عہد ریاست (کنور فتح سنگھ) کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر کر دئے گئے اور اس حیثیت سے بھی بہت مفید خدمتیں انجام دیتے رہے۔

اس عہدہ پر تقرر اس لئے ہوا کہ کنور موصوف شراب کے بہت زیادہ عادی ہو گئے تھے، ہزاروں جتن کئے گئے مگر یہ لت نہیں گئی، پھر محمد علی کو ان کا پرسنل اسسٹنٹ مقرر کیا گیا تاکہ وہ اپنے دوستانہ تعلقات کا اثر ڈال کر اس عادت قبیحہ کو ان سے ترک کرا سکیں، مگر یہ عادت مشومہ کہیں چھٹتی ہے، بالآخر کنور موصوف کثرت شراب نوشی کے باعث انتقال کر گئے۔

مشغلۂ تحریر | محمد علی کی تخلیق اس لئے نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک ریاست میں کمشنری یا محکمہ انیون کی افسری میں اپنے ایام حیات بسر کریں، قدرت کو ان سے بڑے بڑے کام لینے تھے، اپنی ملازمت کی کثیر مصروفیتوں کے باوجود وقت نکال کر ملکی و قومی مسائل پر وقتاً فوقتاً ٹائمز آف انڈیا بمبئی وغیرہ میں مضامین لکھا کرتے تھے۔

گپ | اپنی ملازمت سے پیشتر دوران قیام الہ آباد میں انھوں نے اپنی اس دلچسپی کو مستقل طور پر قائم رکھنے کے لئے ایک مختصر سا تفریحی انگریزی رسالہ اپنے رفیق آکسفرڈ کنور جگدیش پرشاد (چیف سکریٹری یوپی گورنمنٹ) کی رفاقت میں نکالا، مگر افسوس کہ اس کے صرف دو پرچے نکل سکے اور اس کے بعد کوئی نمبر نہ نکلا[۱]،

---

[۱] ایک پرچہ (پہلا نمبر) میر محفوظ علی صاحب کی عنایت سے "محمد علی میوزیم" جامعہ ملیہ میں موجود ہے۔ (مؤلف)

ملازمت سے بیزاری | اس عرصہ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ پہلے تو محمد علی نے ریاست کی ملازمت سے نکل کر گورنمنٹ کی ملازمت کے حلقہ میں داخل ہونا چاہا، اور اس کے لئے شملہ کے بعض ذمہ دار انگریزوں نے وعدہ بھی کر لیا کہ ہم عنقریب کوئی اعلیٰ عہدہ دلوا دیں گے، مگر پھر ان کا ملازمت ہی سے جی ہٹ گیا، اور ان کی طبیعت اپنے لئے ایک وسیع تر میدان عمل تلاش کرنے لگی،

افسر اعلیٰ سے مخالفت | محمد علی انہی تفکرات میں تھے کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے انھیں ملازمت سے بالکل بیزار کر دیا،

مکتوب بنام محفوظ علی | چنانچہ نوساری سے اپنے رفیق قدیم میر محفوظ علی صاحب کو ایک مکتوب میں وہ اس کی تفصیل و اسباب کا ذکر یوں کرتے ہیں :-

"میں نے اپنی ترقی کی درخواست دی ٹالم ٹولا ہوتی رہی مگر اس عرصہ میں مسٹر دت کا نزول ہوا، اور گھنسے کو ٹھیلتے کا بہانہ ان کی رائے میری ترقی کے خلاف ہوئی اس لئے مجھے کوئی جواب نہ ملا، اس عرصہ میں ٹائمز آف انڈیا میں چند مضامین میرے شائع ہوئے جنمیں مسلمانوں کے حقوق کی پیروی کی گئی تھی، اور مسٹر گوکھلے کی دوست نما دشمنی کا پردہ فاش کیا گیا تھا، مسٹر دت سخت ناراض ہوئے، اور میرا جواب طلب کیا، میں نے جواب اس قدر دنداں شکن دیا کہ کچھ نہ بن پڑی کونسل میں جواب پیش ہوا اور کچھ نتیجہ نہ نکلا، سوائے اس کے کہ ایک عام سرکار شائع کیا جائے اور وہ بھی خفیہ کہ سرکاری عہدہ داروں کو ایسے مضامین لکھنا مناسب نہیں ہیں جن کی وجہ سے مختلف مذاہب اور اقوام میں مخالفت پیدا ہو، سر ہیرلڈ اسٹوارٹ کوشش کر رہے ہیں کہ سکریٹریٹ میں کوئی عمدہ عہدہ دلا دیں۔

احساس فرض | اگر چاہتا تو کچھ کام نہ کرتا مگر عادت کو کیا کروں، بےست بیٹھا نہیں جاتا، حرام کی روٹی کھانا منظور نہیں دوسرے یہ بھی خیال ہے کہ ایک اور محکمہ کے کام سے واقفیت ہو جائے گی کام کی وجہ سے سر کھپانے کی مہلت نہیں ہے اس ریاست سے سخت بیزار ہوں، اور دراصل نوکری سے بیزار ہوں"۔

اجرائے کامریڈ کا خیال | بالآخر ان پر بھی خیال غالب آیا کہ وہ نوکری سے اپنی بیزاری کا اعلان کردیں
چنانچہ انھوں نے ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو یہ خط میر محفوظ علی صاحب کو لکھا تھا اور سنہ ۱۹۱۰ء کے اختتام تک
پورے طور سے یہ طے کرلیا کہ وہ اب ملازمت نہیں کریں گے، بلکہ اخبار نکالیں گے، اور اس ذریعہ سے
قوم و ملک کی خدمت کریں گے، چنانچہ حسب بیان میر محفوظ علی صاحب لکھنؤ میں ایک اسکیم تیار
ہوئی کہ اخبار کلکتہ سے نکالا جائے، محمد علی اس کے ایڈیٹر ہوں، اور میر محفوظ علی صاحب اس کے
منیجر، مرزا عزیز مرزا مرحوم بھی اس مشورہ میں شریک تھے،

جاورہ کی وزارت | لیکن ابھی قدم قدم پر محمد علی کے لئے مواقع موجود تھے وہ اس حلقہ سے نکلنا
چاہتے تھے، لیکن یہ حلقہ تھا کہ خود محمد علی کو لپٹ رہا تھا،

سر مائکل اوڈائر کا اصرار | سر مائکل اوڈائر سے محمد علی کے خاص تعلقات تھے اس زمانہ میں وہ
پنجاب کے ایک اعلیٰ عہدہ دار تھے، نواب صاحب جاورہ نے محمد علی کو جاورہ کی وزارت پیش
کرنی چاہی اور سر مائکل اوڈائر نے نواب صاحب سے تائید اور محمد علی سے اصرار کیا، دوسری
طرف بیگم صاحبہ بھوپال نے بھی محمد علی کو اپنی ریاست میں چیف سکریٹری کا عہدہ دینا چاہا
مگر محمد علی طے کرچکے تھے کہ وہ اب ملازمت نہیں کریں گے اس لئے انہوں نے ان دونوں پیشکش
عہدوں" کو قبول کرنے سے انکار کردیا" اور کامریڈ کے اجراء کا انتظام کرنے لگے،

بڑودہ سے علیحدگی | چنانچہ پہلے تو محمد علی نے دو سال کی رخصت لی اور اس کے بعد مہاراجہ بڑودہ
پر ملک معظم کی توہین کا جو الزام لگا تھا اور محمد علی نے جس کی صفائی دی تھی اس واقعے کے بعد
وہ مستعفی ہوگئے، اگرچہ مہاراجہ صاحب ان کا استعفیٰ کسی طرح منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے

صلۂ کارگزاری | محمد علی نے سات سال تک وہاں ملازمت کی اور نہایت امتیاز و شان کے
ساتھ وہاں اپنی زندگی بسر کی، لیکن جب وہاں سے وہ علیحدہ ہوئے ہیں تو سات سال کی مدت
کارگزاری پر انھیں پنشن تو کسی طرح بھی نہ مل سکتی تھی ہاں ان کے افسر بالا دست نے حسن
خدمات کے صلہ میں یہ تجویز کی کہ سات ہزار کی رقم محمد علی کو بطور انعام پیش کی جائے بغیر

محمد علی نے اس رقم کو بھی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی،

مدیر سچ کی رائے | سچ کے محترم ایڈیٹر نے بالکل سچ فرمایا کہ "کامریڈ کے ایڈیٹر کے لئے دنیوی ترقی کے بہتر سے بہتر مواقع موجود تھے، ہندوستان کا ذکر نہیں، انگلستانی صحافت میں بلند سے بلند کرسئ ادارت اس کے لئے خالی تھی، مناصب سرکاری میں بڑی سے بڑی رفعت اس کے لئے چشم براہ تھی عزت و ثروت، اقتدار و جاہت کے اصنام کبیرہ نے قدم قدم پر اسے لبھایا لیکن اس کشتۂ عشق نے ماسوا کی جانب نظر اٹھانا بھی گناہ سمجھا اور سارے رشتے چھوڑ کر ایک کا ہو رہا!

موجودہ تمدن پر برقیات کا اثر

موجودہ تمدن زندگی میں برقیات کا استعمال روز افزوں ترقی پر ہے۔ گھروں، سڑکوں اور کارخانوں میں روشنی کرنے میں۔ خانگی ضرورت مثلاً کھانا پکانے سرد مقاموں پر کمروں کے گرم کرنے برقی گھنٹی وغیرہ میں، باربرداری میں گو کہ زیادہ تر کام دخانی ریلوں سے لیا جاتا ہے۔ لیکن اب بہت سے متمدن ممالک مثلاً جرمنی۔ سوئٹزرلینڈ۔ امریکہ۔ انگلستان وغیرہ میں برقی ریلیں دخانی ریلوں کی جگہ لیتی جا رہی ہیں حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی صوبہ بمبئی میں برقی ریلوے جاری ہو گئی ہے۔ نئی نئی صنعتیں برقی کیمیا (Electro - Chemistry) و برقی معدنیات Electro-Metallurgy پیدا ہو گئی ہیں جن سے وہ دھاتیں جو پیشتر نایاب تھیں مہیا ہو سکتی ہیں مثلاً المونیم وغیرہ اور بعض معدنیات کی اصلاح میں معاونت کرتی ہیں مثلاً تانبے وغیرہ کو صاف کرتے ہیں۔

یہ سب توانائی Energy کے استعمال کے طریقے ہیں۔ تقریباً سب کاموں میں برقی توانائی کسی اور قسم کی توانائی مثلاً ایندھن کی کیمیائی توانائی یا دخانی یا گیس انجن کی مشینی توانائی کو میدان عمل سے خارج کر رہی ہے اور اب خود اس کی جگہ لے رہی ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ برقی توانائی دوسری قسم کی توانائیوں سے جن کے متعلق ہم کو زیادہ علم ہے کیوں اس قدر کامیابی سے مقابلہ کر رہی ہے۔ برقی توانائی کے خواص پر غور کرنا ہوگا۔

برقی توانائی نہایت تھوڑے سے خرچ میں دور دراز فاصلوں پر منتقل کی جا سکتی ہے مشینی توانائی صرف تھوڑے فاصلہ تک منتقل ہو سکتی ہے۔ اس کے منتقل کرنے کے لئے فیتہ یا رسی یا دبی ہوئی ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حرارتی توانائی مرکزی دخانی حرارتی مشین سے صرف چند سو گز تک اوسط درجہ کی استعداد (EFFICIENCY) سے منتقل کی جا سکتی ہے۔ لیکن صرف دو قسم کی توانیاں یعنی ایندھن کی کیمیائی توانائی اور برقی توانائی عملاً بہت دور تک منتقل ہو سکتی ہیں اور ان کے منتقل کرنے میں صرف اس اقتصادی پہلو پر نظر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ کس قسم کی توانائی کا خزانہ

قریب تر ہے

غرضکہ توانائی کی یہی دو قسمیں ہیں جو ایک دوسرے کا مقابلہ کرسکتی ہیں جب کہ کسی جگہ پر جو کہ قدرتی توانائی کے خزانے سے دور ہو توانائی کی ضرورت ہو۔ مثلاً اگر کسی جگہ توانائی کی ضرورت ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کان سے کوئلہ بہم پہونچانے اور ریل یا کشتی وغیرہ پر لے جانے پر کم خرچ ہوگا یا کان کے پاس ہی دخانی کلوں سے برقی توانائی مہیا کرکے اس جگہ تک منتقل کرتے ہیں،

برقی توانائی کے منتقل کرنے میں اتنی ہی آسانی ہے جتنی کیمیائی توانائی کے لے جانے میں لیکن برقی توانائی کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ کسی قسم کی توانائی میں اس کو نہایت آسان و خوش اسلوبی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ برخلاف اس کے کیمیائی توانائی کی تبدیلی میں بہت سی پیچیدہ مشینوں اور ماہرین فن کی خدمات کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس حالت میں بھی اس کا استعمال محض گرمانے اور بڑی قوت کی دخانی کلوں تک محدود ہے۔ محض بٹن دبانے سے برقی روشنی ہونے لگتی ہے اور برقی توانائی شعاعی توانائی میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ذخیرہ کیمیائی توانائی ہو تو مخصوص ایندھن مثلاً موم بتی یا مٹی کے تیل کے چراغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا کسی پیچیدہ گیس کے کل کی۔ بٹن دبانے سے موٹر چاہے چھوٹے پنکھے کا ہو یا ہزار گھوڑوں کی طاقت کا جس سے شہر میں پانی پہنچایا جاتا ہو یا ریل گاڑی چلائی جاتی ہو چلنے لگتا ہے۔

جب توانائی کا خزانہ ایندھن ہوتا ہے تو بھاپ بنانے کی کل دخانی انجن یا ٹربائن معہ جملہ معاونین اور ماہرین فن کی ضرورت ہوتی ہے، اور پھر بھی جب تک کثیر طاقت والی کلیں نہ ہوں۔ استعداد بہت کم ہوتی ہے۔

کیمیائی توانائی کی تبدیلی کی پیچیدگی کا برقی توانائی کی تبدیلی کی آسانی سے مقابلہ کیجئے تو اول الذکر کی دشواریوں کا بہتر اندازہ ہو جائے گا۔ خانگی پنکھے کی موٹر کی توانائی کا خزانہ اگر کوئلہ ہو تو ایک چھوٹا دخانی انجن معہ بوائلر و بھٹی کے پنکھے سے وابستہ ہوگا۔ پنکھا چلانے کے لئے آگ ملاکر بھاپ بنے گی اور پھر بھاپ سے انجن چلے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایندھن کی کیمیائی توانائی تقسیم

عومی کے لئے کس قدر ناکارہ ہے لہذا توانائی کی تقسیم عومی کی ابتدا ر برقی طاقت کے میدان عمل میں آنے سے کہی جاسکتی ہے۔

اس کا عکس بھی بالکل صحیح ہے۔ مشینی یا دوسری قسم کی توانائی بھی آسانی سے اور کم خرچ میں برقی توانائی میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان کی تبدیلی کیمیائی توانائی میں نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ قدرتی توانائی کے دو بڑے خزانوں میں سے ایک یعنی پانی کی طاقت کا خزانہ برقی انجینیری کی ترقی سے پہلے تقریباً بیکار تھا کیونکہ ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ جہاں پر پانی کی طاقت کا خزانہ ہو وہیں اس کا مفید مصرف بھی نکل سکے۔ چنانچہ پانی کی طاقت کے خزانے برقی انتقال کی ترقی سے واقعی طور پر کارآمد ہوگئے ہیں۔

برقی توانائی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دوسری قسم کی توانائی سے کہیں زیادہ ایک مرکز پر جمع کی جاسکتی ہے۔ اس طرح ایسے نتائج پیدا کئے جاسکتے ہیں جو کسی دوسری قسم کی توانائی کے لئے ممکن ہیں اور نہ حیوانی طاقت سے کئے جاسکتے ہیں۔

لوہا اپنے کچدہات سے کوئلے کی کیمیائی توانائی کی مدد سے ہوادار بھٹی کے اندر الگ کیا جاسکتا ہے لیکن الومینیم اور کیلسیم علیحدہ نہیں جاسکتے کیونکہ ان کا کیمیائی تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے ایک جگہ زیادہ توانائی کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف بجلی کے ذریعہ ممکن ہے۔

گرم سے گرم شعلوں مثلاً آکسی ایسٹیلین (OXY - ACETYLENE) اور آکسی ہائڈروجن (OXY - HYDROGEN) میں پلاٹینم محض پگھل سکتا ہے اور کوارٹز صرف نرم ہوسکتا ہے۔ لیکن برقی قوس میں پلاٹینم۔ کوارٹز اور قریب قریب ہر موجودہ شے حتیٰ کہ ٹنگسٹن اور کاربن بھی گلا کر تعطیرے یا براہ راست بھاپ بنائے جاسکتے ہیں۔

اس طرح نہایت شاندار صنعتیں وجود میں آگئی ہیں اور ہمیں بہت سی نئی چیزیں مل گئی ہیں مثلاً الومنیم۔ سلیکن۔ کیلسیم۔ کرومیم۔ مختلف قسم کے کاربائڈ۔ سائنا مائڈ۔ ایسیٹلین وغیرہ وغیرہ اور بہت سی چیزیں سستے طریقوں سے تیار ہوجاتی جیسے مختلف قسم کے کھار، ہائپوکلورائٹ

فاسفورس، میگنیشیم، سوڈیم وغیرہ۔

برق بذات خود محض بیکار قسم کی توانائی ہے چونکہ یہ قدرتی طور پر صنعت کے لئے کافی مقدار میں نہیں پائی جاتی اور اس لئے برقی توانائی کی صورت میں اس کا کوئی صنعتی مصرف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ہمیشہ کسی ایک قسم کی توانائی سے مہیا کی جاتی ہے اور کسی دوسری قسم کی توانائی میں تبدیل کر کے استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً روشنی، مشینی توانائی، کیمیائی توانائی، حرارت وغیرہ۔ یعنی برقی توانائی محض ایک قسم کا درمیانی رشتہ ہے۔ جس کے ذریعہ توانائی اس جگہ سے جہاں پائی جاتی ہو اس جگہ پر جہاں اس کا مصرف ہو لائی جاتی ہے۔ یا جس کے ذریعہ توانائی اس قسم کی توانائی میں تبدیل کی جا سکتی ہے جس صورت میں اس کا استعمال منظور ہو۔

بادی النظر میں یہ پیچدار طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے کے اس جہاز میں جس جس میں برقی قوت سے جہاز کا پنکھا چلایا جاتا ہو (لائیڈ ٹرسیٹو کمپنی کا جہاز نامی وکٹوریہ جو کہ جینوا سے بمبئی آتا جاتا ہے، برقی طاقت سے چلتا ہے)، ایک برقی جنریٹر دخانی ٹربائن کے پاس رکھ دیا جاتا ہے اور ایک موٹر جہاز کے پنکھے کے پاس چند فٹ کے فاصلہ پر۔ باوجودیکہ عملی طور پر یہ برقی قوت کے دوسرے استعمالوں سے مختلف نہیں ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا منتقل کرنے کا طریقہ ہے۔ جو کہ اپنی سادگی اور کم خرچ کی وجہ سے زیادہ بہتر ہے

برقی قوت میں خرابی یہ ہے کہ وہ جمع نہیں کی جا سکتی۔ یہ سچ ہے کہ برق جمع کرنے کی بیٹری موجود ہے اور اس کا استعمال بھی اعلیٰ قسم کی برقی تقسیم یا ریلوے وغیرہ میں ہے لیکن درحقیقت یہ بیٹری برقی توانائی کو نہیں جمع کرتی بلکہ توانائی کو برقی سے کیمیائی میں تبدیل کر کے جمع کرتی ہے اور پھر اس جمع کی ہوئی کیمیائی توانائی کو برقی توانائی کی صورت میں تبدیل کر کے خارج کرتی ہے۔ جمع کرنے کی بیٹری کی اقتصادی استعداد اتنی کم ہے کہ توانائی کو صنعت کے لئے جمع کرنے کے لحاظ سے اس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس کو ہم بہترین طور پر یوں سمجھ سکتے ہیں کہ برقی توانائی کا مقابلہ ایندھن کی کیمیائی توانائی سے کریں۔ ظاہر ہے کہ

ایندھن نہایت کم خرچ میں جمع رکھا جا سکتا ہے جسکا یہ نتیجہ ہے۔ اگر توانائی کا خزانہ ایندھن ہو اور ایندھن کافی مقدار میں موجود ہو تو صنعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا خواہ مہینوں تک اور ایندھن نہ مہیا ہو سکے۔ لیکن اگر بجلی کی قوت آبشار کے ذریعہ مہیا کی جائے اور دو تین ماہ کے لئے وہ آبشار منجمد ہو جائے تو اس عرصہ کے لئے برقی توانائی بیٹریوں میں جمع رکھنا ممکن ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ برقی توانائی اتنی ہی مہیا کرنا چاہیے جتنی صرف ہو سکے، جس کا یہ نتیجہ ہے کہ برقی توانائی کی قیمت اس کے صرف پر منحصر ہے۔ یہ بات دوسری قسم کی توانائی مثلاً ایندھن کی کیمیائی توانائی میں نہیں ہے ایک من کوئلے کی قیمت وہی رہے گی چاہے ہم اس کو فوراً بھٹی میں ڈال دیں یا اسکو جمع کر کے مہینوں تک تھوڑا تھوڑا جلاتے رہیں لیکن برقی توانائی میں یہ بات نہیں ہے اگر ہمیں رات دن میں صرف ایک گھنٹہ بڑی مقدار میں برقی توانائی کو استعمال کرنا ہے تو اس کے لئے مقابلتہً بڑی برقی مشین کی ضرورت پڑے گی اور اسی تناسب سے منتقل کرنے اور استعمال کرنے کے آلوں کی ضرورت ہوگی اور یہ سب بہت گراں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ہم چوبیس گھنٹہ برابر تھوڑی توانائی استعمال کریں تو اس کیلئے چھوٹی مشین اور سب، کم خرچ والی چیزیں درکار ہوں گی اس لئے مؤخر الذکر طریقہ ارزاں ہو

چونکہ برقی توانائی جمع نہیں کی جا سکتی اس لئے برقی توانائی کی قیمت کا انحصار شرح استعمال پر ہے۔ یعنی اوسط صرف اور زیادہ سے زیادہ صرف کی نسبت ذیل کی مثال سے اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی اگر رات دن میں میں صرف ایک گھنٹہ میں ۲۴۰ کیلوواٹ گھنٹہ برقی توانائی استعمال کروں اور بقیہ ۲۳ گھنٹوں میں بالکل نہ استعمال کروں تو خرچ کا وہ حصہ جو مشینوں وکلوں سے متعلق ہے چوبیس گنا ہو جاتا ہے بہ نسبت اس خرچ کے جو کہ مجھے برقی توانائی کو تھوڑی مقدار میں چوبیس گھنٹے کے استعمال سے کرنا ہوتا۔ اول الذکر حالت میں اگر کوئی دوسرا شخص بھی ۲۴۰ کیلوواٹ گھنٹہ برقی توانائی کسی دوسرے گھنٹہ میں استعمال کرے تو مشین وکلوں کا خرچ نصف ہو جائے گا۔ لہذا برقی توانائی کی قیمت اس بات پر بھی منحصر ہے کہ مختلف اوقات میں اسکا

خرچ ہو۔ مثلاً روشنی کے لئے سب کو ایک ہی وقت میں ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس کے دام زیادہ ہونا لازمی ہے بہ نسبت اس کے کہ۔ برقی توانائی کسی صنعتی یا خانگی ضرورت میں صرف ہو جہاں اس کا خرچ رات دن تدریج ہوتا ہو۔

ظاہر ہے کہ چونکہ برقی توانائی۔ جمع نہیں کی جاسکتی اس لئے اس کے مہیا کرنے کی قیمت بھی معین نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ ایک ہی کارخانہ میں مہیا کی ہوئی برقی توانائی کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ کتنی توانائی کا کس وقت خرچ ہے۔ برقی توانائی کی یہ خصوصیت اس کے ہر اقتصادی پہلو پر غالب ہے چاہے اس کا استعمال صنعتی، خانگی یا انتقال کے لئے ہو۔

(ماخوذ)

مالیاتِ ہند

۱

مالیاتِ ہند کا تعلق بارش سے مالیاتِ ہند کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان کی آمدنی پر بارش کا بہت اثر پڑتا ہے۔ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور آبادی کا ۲/۳ حصہ زراعت سے معاش حاصل کرتا ہے، تجارت وصنعت وحرفت پر زراعت کا بہت گہرا اثر ہے اگر بارش اچھی ہو تو پیداوار زیادہ اور اچھی قسم کی ہوتی ہے یعنی یہ کہ کسانوں، جاگیرداروں اور زمینداروں کو حق مالکانہ یا سرکاری مالگزاری ادا کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ان کی قوت خرید بڑھتی ہے یعنی یہ کہ صنعت وحرفت کو فروغ حاصل ہوتا ہے، ہر قسم کے زرعی اجناس (گیہوں، چاول، روئی، جوٹ) کثرت سے برآمد کئے جاتے ہیں پھر کثیر تعداد میں سامان کی درآمد بھی ہوتی ہے۔ اس درآمد وبرآمد سے اور خرید وفروخت سے نہ صرف تجارت کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ ریلوے کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ درآمدی سامان پر جو محصول عائد کیا جاتا ہے اس سے کروڑگیری زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں کو جو زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے محصول آمدنی بڑھتا ہے۔ غرض یہ کہ چوطرف سے سرکاری خزانے میں روپیہ جمع ہونے لگتا ہے اور تمام صوبجاتی موازنوں میں اور مرکزی حکومت کے موازنہ میں بجائے خسارہ کے بچت نظر آتی ہے۔ اسی مطلب کو لارڈ منٹو نے ایک مختصر جملہ میں یوں ادا کیا ہے "جس سال فصل اچھی ہو اور قیمتیں اصلی حالت پر ہوں تو سرکار مالامال ہوجاتی ہے، حکومت کا دل ہر شعبے میں بچت دیکھ کر مسرت سے معمور ہوجاتا ہے"

اگر باران رحمت نہ ہو تو مالیات ہند کا یہ دلفریب منظر ایک ہولناک صورت اختیار کرتا ہے فصلیں تباہ ہوتی ہیں، رعایا میں مالگزاری کی ادائی کی سکت نہیں رہتی، مجبوراً حکومت کو مالگزاری

معاف کرنی پڑتی ہے ساتھ ہی زرعی آبادی کی امداد کے لئے انتظامات کرنے پڑتے ہیں قحط کی شکایت ہو تو ارزاں قیمت پر ضروری غلّہ کے فروخت کرنے کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بعض مواقع پر تو غذا مفت تقسیم کرنی پڑتی ہے۔ کثیر تعداد میں لوگوں کو زرعی قرضہ دینا پڑتا ہے جسے تقاوی کہتے ہیں۔

زرعی پیداوار کی برآمد گھٹتی ہے ساتھ ہی قوت خرید میں تخفیف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال کم منگوایا جاتا ہے۔ صنعت کو نقصان ہوتا ہے، تجارت پر برا اثر پڑتا ہے، مال کی نقل و حمل میں کمی ہونے کی وجہ سے ریلوں کی آمدنی کم ہو جاتی ہے، کروڑگیری کم حاصل ہوتی ہے، محصول آمدنی کم حاصل ہوتا ہے، غرض کہ آمدنی چو طرف سے کم حاصل ہوتی ہے ساتھ ہی اخراجات میں اضافہ ہوتا ہے اور مثل مرکزی حکومت کے صوبجات میں بھی موازنہ کسی طرح بھی متوازن نہیں کیا جا سکتا اس لئے کسی محقق مالیات ہند نے سچ کہا ہے۔

"ہندوستان کا ذریعہ آمدنی بارش کا جوا ہے"

مروجہ مالیاتی طریقے

مالیات ہند کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مثل انگلستان یا فرانس کے یہاں ایک حکومت نہیں، لہذا ایک ہی موازنہ، اور ایک ہی طریق مالیات نہیں بلکہ ایک مرکزی حکومت، نو صوبجاتی، اور متعدد دیسی ریاستی حکومتیں ہیں لہذا یہاں ایک مرکزی موازنہ، صوبجاتی موازنے[1]، اور

---

[1] پنجاب[1]، صوبجات متحدہ[2] آگرہ و اودھ، بہار و اڑیسہ[3]، آسام[4]، بنگال[5]، صوبجات متوسط[6]، بمبئی[7]، مدراس[8] اور برما[9] واضح رہے کہ برما چونکہ ہندوستان کا ایک صوبہ ہے۔ اس کی آمدنی بھی ہندوستان کی آمدنی میں شریک ہے، شمال مغربی صوبہ اب تک مرکزی حکومت کے تحت تھا اور اسے صرف چند یوم پہلے ہی صوبجاتی درجہ دیا گیا ہے آئندہ سے ظاہر ہے کہ شمال مغربی صوبہ کا بھی علیحدہ موازنہ رہا کریگا مگر اب تک تو صوبجاتی موازنے نو ۹ ہی تھے۔

دیسی ریاستوں کے متعدد موازنے ہوتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء مانٹیگو اصلاحات سے قبل ہندوستان کی مرکزی حکومت اور صوبجاتی حکومتوں کا موازنہ ایک ہی ہوتا تھا، یعنی یہ کہ وائسرائے اور اس کی مجلس عاملہ کا اختیار برطانوی ہندوستان کی تمام آمدنی پر تھا اور وہ اپنی صوابدید سے مختلف حصہ ہائے ہند کی ضرورتوں کا لحاظ کرکے اخراجات کیا کرتے تھے۔ صوبوں کی حیثیت حقیقت میں اضلاع کی سی تھی، صوبجاتی حکومتیں قطعی طور پر مرکزی حکومت کی تابع تھیں سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء کی سیاسی اصلاح کے بعد صوبوں کی حکومتوں کو اختیارات عطا کئے گئے بجز شمال مغربی صوبہ کے تمام صوبوں کے ذرائع آمدنی مرکزی حکومت سے علیحدہ مقرر ہوئے اور ان ذرائع سے حاصل کردہ آمدنی کو خرچ کرنے کا صوبجاتی حکومتوں کو اختیار ملا۔ وائسرے کی حیثیت حاکم مطلق کی نہیں بلکہ ایک صدر نگران کار کی ہوگئی جس طرح آمدنی کے ذرائع مختلف قرار پائے اسی طرح خرچ کی مدیں بھی مختلف طے ہوئیں۔

ذرائع آمدنی

مرکزی حکومتوں کے ذرائع آمدنی | سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء کے سیاسی اصلاحات کی بناء پر مرکزی حکومت کے ذرائع آمدنی یہ قرار پائے:۔ کروڑگیری، ریلوں کی آمدنی، محصول آمدنی، نمک، افیون، دیسی ریاستوں کا خراج، محکمہ ڈاک اور تلغراف، ٹسکیک،

سنہ ۱۹۲۸-۲۹ء میں مرکزی حکومت کے اہم ترین ذرائع سے حاصل کردہ آمدنی یہ تھی:۔

۱	کروڑگیری	۵۰،۰۰،۰۰،۰۰۰	پچاس کروڑ
۲۔	ریلوں کی آمدنی	۳۷،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے سنتیس کروڑ
۳۔	محصول آمدنی	۱۷،۰۰،۰۰،۰۰۰	سترہ کروڑ
۴۔	نمک	۷،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے سات کروڑ

۵۔ متفرق ذرائع آمدنی، محکمہ ڈاک و تلغراف، ٹسکیک، سود، صوبجاتی نذرانے، جرمانے، ضمنی کار۔

خانے وغیرہ تقریباً ۱۷،۰۰،۰۰،۰۰۰ سترہ کروڑ

میزان کل ۱۲۹،۰۰،۰۰،۰۰۰ ایک ارب انتیس کروڑ

سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء کی حقیقی آمدنی (۱۲۸،۹۷،۰۶،۱۴۶) تھی یعنی ۱۲۹ کروڑ میں تقریباً تین لاکھ کی کمی ہے، سہولیت کی خاطر ہم نے ۱۲۹ کروڑ لکھدئے ہیں۔

گذشتہ چند سالوں میں مرکزی حکومت کی آمدنی یہ تھی:-

سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء	۱۱۵،۲۲،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء	۱۲۱،۴۱،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۴-۱۹۲۳ء	۱۳۲،۷۹،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء	۱۳۷،۵۳،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء	۱۳۳،۱۷،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء	۱۳۱،۶۵،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء	۱۲۷،۲۲،۰۰،۰۰۰
سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء	۱۲۸،۹۷،۰۰،۰۰۰

ان اعداد و شمار پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مرکزی حکومت ہند کی سالانہ آمدنی لگ بھگ ایک ارب ۳۰ کروڑ سالانہ رہتی ہے۔

صوبجات ہند کے ذرائع آمدنی | ہندوستان کی صوبجاتی حکومتوں کے ذرائع آمدنی حسب ذیل ہیں

-:-

مالگزاری (لگان)	۳۳،۰۰،۰۰،۰۰۰	(تینتیس کروڑ)
محکمۂ آبپاشی کا منافع	۷،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے سات کروڑ
آبکاری	۲۰،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے بیس کروڑ
عدالتی ٹکٹ وغیرہ کی آمدنی	۱۳،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے تیرہ کروڑ

جنگلات	۵،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے پانچ کروڑ
مختلف ذرائع	۱۱،۵۰،۰۰،۰۰۰	ساڑھے گیارہ کروڑ
میزان	۹۱،۵۰،۰۰،۰۰۰	

گذشتہ چند سالوں میں صوبجاتی حکومتوں کی مجموعی حقیقی آمدنی یہ تھی :-

سنہ ۲۴-۱۹۲۳ء	۷۸،۸۵،۱۴،۲۷۵
سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء	۸۱،۲۸،۱۸،۰۸۲
سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء	۸۷،۵۱،۲۰،۱۳۰
سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء	۸۶،۴۳،۱۵،۸۵۸
سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء	۹۳،۲۹،۵۴،۴۰۶
سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء	۹۱،۴۸،۷۵،۵۸۱

ان اعداد پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۲۴-۱۹۲۳ء تا سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء کی سالانہ آمدنی کا اوسط ۸۶½ کروڑ تھا

مقامی مالیات

بلدیات کی آمدنی | سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں برطانوی ہند میں ۷۷۶ بلدیات تھے جن کی مجموعی آمدنی ۳۳،۱۱،۰۷،۶۰۲ یعنی تقریباً تینتیس کروڑ تھی،

لوکل اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی آمدنی | مقامی اور قصباتی مجلسوں کی تعداد سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں ۱۲۴۷ اور ان کی مجموعی آمدنی ۶۵۵، ۱۲۱، ۸ ۹، ۱۵ یعنی تقریباً سولہ کروڑ تھی،

بندرگاہی آمدنی | بڑے بڑے بندرگاہ بھی آمدنی حاصل کرتے ہیں سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں ان کی مجموعی آمدنی ۷۰،۰۰ ،۱۹ ،۶۶ ،۸ تھی یعنی تقریباً ساڑھے آٹھ کروڑ۔

اس طرح سرکاری طور پر براہ راست یا بالواسطہ برطانوی ہند کی آبادی سے سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء

میں۔

مرکزی حکومت نے	۱۲۸،۹۸،۰۲،۴۰۶	آمدنی حاصل کی گویا کل آمدنی ۲۷۸ کروڑ تھی
صوبجات کی حکومتوں نے	۹۱،۴۸،۷۵،۵۸۱	
بلدیات نے	۳۳،۱۱،۰۷،۶۰۲	
لوکل اور ڈسٹرکٹ بورڈز نے	۱۵،۹۸،۲۱،۶۵۵	
بندرگاہوں نے	۸،۶۶،۱۹،۰۷۰	
میزان	۲۷۸،۲۲،۲۶،۳۲۴	

حیدرآبادی مالیات

ریاست حیدرآباد میں آمدنی کے ذرائع اور ان سے حاصل کردہ آمدنی حسب ذیل ہے:۔

مالگزاری	تین	کروڑ	۲ لاکھ
آبکاری	۱	"	۶۰ "
کروڑگیری	۱	"	۵۸ "
سود			۵۶ "
ریل			۴۶ "

برار کا معاوضہ بعد از منہائی خراج و اخراجات رزیڈنسی فوج ۳۰ لاکھ

ٹکٹ و ڈاک	۴۳ لاکھ
تمسکیک وزر کاغذی	۱۶ لاکھ
افیون و گانجہ	۱۵ "
جنگلات	۱۵ "

میزان ۷ کروڑ ۳۲ لاکھ

اس کے علاوہ ۱۳۳۹ف (۱۹۲۹ء ۱۹۳۰ء) میں متفرق ذرائع سے ایک کروڑ ۱۹ لاکھ ۴۲ ہزار کی آمدنی ہوئی تھی اس طرح ریاست حیدرآباد کی حقیقی آمدنی ۱۹۲۹ء ۱۹۳۰ء ۸½ کروڑ سے کچھ زیادہ تھی۔ ریاست حیدرآباد کی آمدنی کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سرکاری کے اعداد وشمار میں صرف خاص یعنی اعلیحضرت حضور نظام کی آمدنی اور پائیگاہوں اور جاگیرداروں کی آمدنی شامل نہیں ہے۔ حیدرآباد ریاست کی سرکاری آمدنی صرف دیوانی علاقہ سے حاصل کی جاتی ہے، حیدرآبادی ذرائع آمدنی کے متعلق دوسری بات قابل لحاظ یہ ہے کہ یہاں محصول آمدنی (انکم ٹکیس) اب تک رائج نہیں ہوا، اگر صرف جاگیرداروں، سیٹھ، ساہوکاروں، سرکاری عہدہ داروں، اور مرفہ الحال اشخاص سے معقول شرح پر انکم ٹکیس وصول جائے تو ریاست حیدرآباد کی آمدنی میں کم از کم ایک کروڑ کا اضافہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے،

۱۳۴۱ف یعنی سال رواں کے موازنہ میں علاقہ دیوانی کی آمدنی کا اندازہ ۷,۷۹,۸۴,۰۰۰ (سات کروڑ، اناسی لاکھ چوراسی ہزار) کیا گیا ہے، یعنی ۱۳۳۹ف کی حقیقی آمدنی سے ۱۳۴۱ف کی متوقع آمدنی ۱۶ لاکھ ۹۸ ہزار کم ہے، اس کمی کا باعث حقیقت میں بین الاقوامی معاشی پستی ہے۔ ریل کی آمدنی میں تقریباً پندرہ لاکھ اور کروڑگیری میں ۷ لاکھ کی کمی کا اندیشہ ہے۔ ان کے علاوہ بھی تقریباً ہر ذریعہ سے کم آمدنی وصول ہونے کا خوف ہے۔ ابھی حال میں اعلحضرت حضور نظام نے ۷۳ لاکھ مالگزاری معاف کردی ہے جس کی وجہ سے رعیت کو تو بلاشبہ بہت فائدہ ہوگا مگر سرکاری آمدنی میں مزید کمی کا ہونا ضروری ہے۔

ہندوستان کی دیسی ریاستونکی آمدنی

ہندوستان میں چھوٹی بڑی دیسی ریاستوں کی تعداد ۵۶۲ ہے ان میں سے ۱۰۸ بڑی بڑی دیسی ریاستوں کی مجموعی آمدنی کا اندازہ سر ولیم بارٹن سابق ریزیڈنٹ میسور نے ۴۲ کروڑ کیا

ہے۔ بقیہ ریاستوں کی آمدنی کا اندازہ سر موصوف نے صرف چار کروڑ کیا ہے۔ قرائن سے سر ولیم بارٹن کا اندازہ صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ ان اعداد کے معلوم کرنے کے بعد کل ہندوستان کی مجموعی سرکاری آمدنی کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کی مجموعی سرکاری آمدنی

۱. مرکزی حکومت ہند	تقریباً	۱۲۹ کروڑ
۲. صوبجاتی حکومت	"	۹۱ "
۳. بلدیات	"	۳۳ "
۴. زرعی مجالس	"	۱۶ "
۵ بندرگاہ	"	۹ "
۶ دیسی ریاستیں	"	۴۶ "
کل میزان		۳۲۴ کروڑ

اس طرح ہندوستان کی مرکزی، صوبجاتی، بلدیاتی، بندرگاہی، اور دیسی ریاستی آمدنی کا کل مجموعہ تین ارب چوبیس کروڑ ہوتا ہے

اسی ضمن میں اگر ریاست حیدرآباد اور برطانوی حکومت ہند کی آمدنیوں کا موازنہ اور مقابلہ دوسرے ممالک کی آمدنیوں سے کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہندوستانی آبادی کی غربت کس بدترین درجہ پر پہونچ گئی ہے اور بوجہ غربت ان کی قوت ادائی محصول کس قدر کم ہے۔

دول عالم کی آمدنی[1] | ۱۹۲۸ء میں انگلستان کی حقیقی آمدنی ۸۴۴٬۸۳۰٬۰۰۰ پونڈ یعنی تقریباً

[1] دول عالم کے متعلق ضروری اعداد "statesman's year Book" مطبوعہ میکیلن بمقام لندن

ساڑھے چوراسی کروڑ پاؤنڈ تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک پاؤنڈ تیرہ روپے پانچ آنے چار پائی کے
کے مساوی ہوتا ہے اس لحاظ سے ساڑھے چوراسی کروڑ پاؤنڈ کے تقریباً ۱۱۲۵ کروڑ روپے ہوتے
ہیں؛ واضح رہے کہ اس رقم میں بلدیات کے مخصوص ٹیکس شامل نہیں ہیں۔ کینیڈا Canada
جس آبادی تقریباً ایک کروڑ ہے) کی آمدنی ۲۹-۱۹۲۸ء میں ۴۵ ½ کروڑ ڈالر تھی۔

ممالک متحدہ امریکہ کی وفاقی آمدنی ۳۰-۱۹۲۹ء میں ۴۱۸ کروڑ ڈالر تھی ۳۰-۱۹۲۹ء میں
ایک امریکی ڈالر ۳⅓ کے مساوی ہوتا تھا اس لحاظ سے ۴۱۸ کروڑ ڈالر کے تقریباً تیرہ ارب
روپے ہوتے ہیں!

انہی اعداد سے ہندوستان کی مفلسی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کل ہندوستان کی مجموعی آمدنی
۲۳۴ کروڑ روپیہ اور انگلستان کی آمدنی گیارہ ارب پچیس کروڑ روپیہ ہے۔ رقبہ کا لحاظ کیا
جائے تو ہندوستان انگلستان سے پندرہ گنا بڑا ہے اور ہندوستان کی آبادی انگلستان سے
آٹھ گنی زیادہ ہے۔

یہ تھی مختصر سرگزشت ہندوستان کے مختلف ذرائع ہندوستان کی سرکاری آمدنی کی۔ ہم
آئندہ ابواب میں حکومت کے ذرائع آمدنی کی تشریح اور نظری مالیات کے چند بنیادی اصول
بیان کرنے کے بعد اور مرکزی اور صوبجاتی حکومت ہند کے اہم ذرائع آمدنی پر تنقیدی تبصرہ کرنے کے بعد
ہندوستان کے سرکاری اخراجات اور خرچ کی مختلف مدوں پر بحث کریں گے

۱۹۳۰ء سے حاصل کئے گئے ہیں ہندوستان کے متعلق اس مضمون میں جتنے اعداد و شمار دئے گئے ہیں
وہ سرکاری محکمۂ اعداد و شمار کی جدید ترین اشاعت جو گذشتہ سال کے اواخر میں ۲۹-۱۹۲۸
Statistical Abstract for British India from 1919-20 کے نام سے شائع
ہوئی ہی، سے حاصل کئے گئے ہیں صفحات کا حوالہ الجھاؤ کے خوف سے نہیں دیا گیا۔ جہاں تک ممکن ہوا
کسی نیم سرکاری یا غیر سرکاری کتاب پر اعتماد نہیں کیا گیا۔

مالیات ہند اور نظری مالیات

گذشتہ باب میں ہم ہندوستان کے مختلف ذرائع آمدنی پر تفصیلی نظر ڈال چکے ہیں قبل اس کے کہ اہم ذرائع آمدنی پر تنقیدی تبصرہ کیا جائے مالیات ہند کی تشریح اور نظری مالیات کے چند بنیادی اصول کی توضیح ضروری ہے۔

جہاں تک کہ آمدنی کا تعلق ہے سرکاری مالیات (Public Finance) اور خانگی مالیات Private Finace میں یہ نمایاں فرق ہے کہ خانگی معاملات میں اہم ترین شئے آمدنی ہوتی ہے اور آمدنی کو اخراجات کا تابع رہنا پڑتا ہے یعنی یہ کہ خانگی معاملات میں انسان کو آمدنی کی نسبت سے اخراجات کرنے چاہئیں۔ برخلاف اس کے سرکاری مالیات میں آمدنی کو نہیں بلکہ اخراجات و زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یعنی یہ کہ ضروری اخراجات کے اندازہ سے آمدنی حاصل کرنا چاہئیے۔ مالیات ہند کے اعتبار سے حکومت کے ذرائع آمدنی، چار ہیں۔

۱۔ سرکاری ملکیت مثلاً جنگلات، زمین، تالاب، آبشار۔

۲۔ تجارتی کاروبار اور تجارتی اداروں کا منافع مثلاً ریل، محکمۂ ڈاک و تلغراف، سرکاری کارخانجات، کاروبار یا کمپنیوں کے حصہ وغیرہ

۳۔ تنظیمی محکموں کی آمدنی مثلاً عدالت۔

۴۔ محصول یا ٹیکس۔

یہ عہد جدید ہی کی خصوصیت ہے کہ حکومتیں اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کی خاطر ہر ممکنہ ذریعہ سے آمدنی حاصل کرنا چاہتی ہیں کمپنیوں کے حصّے خریدنا۔ تجارتی کاروبار جاری کرنا، نفع بخش، اداروں کو قائم کرنا موجودہ عہد ہی کی خصوصیت ہے۔ آمدنی میں اضافہ کرنے کی خواہش، ہوس دولت نہیں ہے بلکہ ضرورت! گذشتہ زمانوں میں حکومت کے فرائض محدود تھے، اب نظریہ سلطنت

اور تخیل حکومت وہ نہیں رہا جو عہد قدیم یا قرون وسطیٰ میں تھا۔ اس زمانہ میں حکومت کا اہم ترین فریضہ سپاہی کی خدمت انجام دینا اور ملک کو بیرونی حملوں اور اندرونی فسادوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض دوربیں۔ دردمند، عاقل حکمرانوں نے اُس زمانے میں بھی ملک کی مرفہ الحالی کے لئے سرکاری طور پر بہت کچھ کیا مگر پھر بھی قرون وسطیٰ اور عہد قدیم میں وہ تنظیم و باقاعدگی نہیں تھی جو موجودہ زمانہ میں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر بے روزگاروں کی امداد ہی کو لیجئے۔ بعض ہمدرد سلاطین نے گذشتہ زمانوں میں قحط سالی کے وقت سیکڑوں ہزاروں لاکھوں روپیہ محض لوگوں کی جان بچانے کے لئے خرچ کیا تھا مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ان کا آئینی فرض نہیں بلکہ ایک طرح کا احسان تھا۔ برخلاف اس کے موجودہ زمانہ کے مہذب ممالک مثلاً انگلستان امریکہ، جرمانیہ کی حکومتوں کا آئین سلطنت کے اعتبار سے یہ فرض ہے کہ وہ ہر اس شخص کی امداد کرے جو خود اپنی مدد نہ کرسکتا ہو چنانچہ بے روزگاروں کو اسی مقررہ و معینہ اصول کے اعتبار سے ہفتہ واری رقمی امداد دی جاتی ہے۔

بہر طور حکومتوں کے فرائض کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے اور ان کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے اس کا فریضہ نہ صرف ملک کی حفاظت کرنا ہے بلکہ قوم کی مرفہ الحالی کے لئے ان تھک کوشش کرنا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تمام متمدن ممالک کی حکومتیں قومی بہبودی کی ذمہ دار ہیں۔

ان کا راہ نما ستارہ خدمت گذاری اور ان کا نصب العین مرفہ الحالی ہے ظاہر ہے کہ ان گوناگون فرائض کی انجام دہی کے لئے اور اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ان حکومتوں کو بھی کثیر آمدنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ آمدنی کیونکر حاصل کی جاتی ہے یا یہ کہ اس آمدنی کو کیونکر حاصل کرنا چاہیئے؟ اضافہ آمدنی کے لئے متمدن ممالک حکومتیں کیا کیا طریقے اختیار کرتی ہیں حاصل کردہ آمدنی کو کس طرح خرچ کیا جاتا ہے اور اسے کس طرح خرچ کرنا چاہیئے اس قسم کے سوالات پر مالیات میں بحث ہوتی ہے۔

قبل ازیں ہم نے حکومت کے ذرائع آمدنی کے متعلق لکھا ہے کہ بالعموم ذرائع آمدنی چار

ہوتے ہیں:- ملکیت، تجارتی کاروبار، نفع بخش تنظیمی ادارے، اور محصول، ملکیت اور تجارتی کاروبار پر معاشیاتِ نظری و عملی میں بحث ہوتی ہے، نفع بخش تنظیمی اداروں کو اول تو مالیاتی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ اہمیت نہیں حاصل ہے کیونکہ ان کی آمدنی قطعی اور متوقع نہیں بلکہ اتفاقی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کا تعلق زیادہ تر سیاسیات سے ہے نہ کہ معاشیات سے مالیاتی نقطۂ نظر سے حکومت کے ذرائع آمدنی میں سب سے زیادہ اہمیت ظاہر ہے کہ محصول یا ٹیکس کو حاصل ہے لہٰذا ہم اسی پر اپنی توجہ زیادہ مبذول کریں گے۔

محصول یا ٹیکس سے مراد وہ رقم ہے جو مقررہ اصول کے تحت فرد یا جماعت کو لازمًا ادا کرنی پڑتی ہے۔ ٹیکس براہ راست کسی خدمت کا معاوضہ نہیں ہوتا اور نہ اس کا معاوضہ ٹیکس ادا کرنے والا طلب کر سکتا ہے یہ وہ رقم ہے جو مجبورًا ادا کرنی پڑتی ہے اور جو حکومتوں کے ذرائع آمدنی میں بیش بہا اضافہ کرتی ہے اور جس کے "بار" کو کم و بیش ہر شخص محسوس کرتا ہے اور مجبوری کی صورت میں طوعًا و کرہًا ادا بھی کرتا ہے محصولوں کی عالمگیر غیر مقبولیت اس میں شک نہیں زیادہ تر انسانوں کی خود غرضانہ فطرت پر مبنی ہے کیونکہ دوسروں کے مفاد کی خاطر خود مالی قربانیاں کرنے پر بہت کم افراد بخوشی تیار ہوتے ہیں۔ انسانوں کی اکثریت یہ نہیں چاہتی کہ اپنی دولت کا حصہ مفاد عامہ کی خاطر سلطنت کے نذر کرے مگر سلطنت کو بغیر محصول عائد کئے گذارے کے لئے کوئی وسیلہ نہیں۔ سرکاری ملکیت، تجارتی کاروبار اور محکمہ جات تنظیمی کی اتفاقی آمدنی سے کسی طرح بھی اتنی آمدنی حاصل نہیں کی جاسکتی جو حکومت کے فرائض پورا کرنے کے لئے کافی ہوسکے۔ لہٰذا اصولاً ماننا پڑے گا کہ محصول عائد کرنا ضروری ہے۔ چونکہ محصول عائد کرنے کا اقتدار حکومت کو حاصل ہے اور ساتھ ہی محصول بالعموم براہ راست کسی خدمت کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا محصول عائد کرنے میں ہمیشہ اس امر کا اندیشہ رہتا ہے کہ بلا وجہ یا بہت ہی غیر معمولی شرح پر یا ضرورت سے زیادہ یا ناانصافی سے ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اسی لئے نظری مالیات میں ٹیکس وصول کرنے کے لیے مقررہ و معینہ اصول ہیں جنہیں محققین مالیات و

اقتصادیات مسلم تصور کرتے ہیں۔ ان مسلمہ اصول کا اعادہ یہاں اس لئے ضروری ہے کہ ہم آئندہ انہی اصول کی بنا پر مالیات ہند کے ذرائع آمدنی اور خرچ کی مدوں پر تنقید کرنے والے ہیں۔

نظری مالیات کے مطابق محصول عائد کرنے کا سب سے پہلا زریں اصول ہے کہ ٹیکس انہیں لوگوں سے وصول کرنا چاہیئے جن میں ادائی محصول کی صلاحیت ہو اور ہر شخص یا جماعت سے اس کی حیثیت یعنی قوت ادائی محصول کے مطابق ٹیکس لیا جانا چاہیئے

اسی طرح مالیات کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ سرکاری آمدنی میں اضافہ کرنا فی نفسہ حقیقی مسلک نہیں ہوسکتا۔ یعنی یہ کہ محض سرکاری آمدنی میں اضافہ کردینا مالیاتی پالیسی کا نصب العین نہیں ہوسکتا کیونکہ حکومت کے پیش نظر قومی مرفہ الحالی ہونی چاہیئے نہ کہ سرکاری تجوری بہت ممکن ہے کہ سرکاری آمدنی کم ہوجائے مگر باوجود اس کمی کے عام مرفہ الحالی میں نمایاں اضافہ نظر آئے۔ برخلاف اس کے ایسا بھی ہونا ممکن ہے کہ سرکار کی آمدنی میں تو اضافہ ہوجائے مگر عام طور پر اس کے برے اثرات رونما ہوں۔

نظری مالیات میں انصاف کے پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاتا لہذا عمداً بھی ٹیکس عائد کرتے وقت انصاف کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ٹیکس کا دوسرا اصول یہ ہے کہ یکساں حالات کے تحت فرد یا جماعت پر یکساں محصول عائد کرنا چاہیئے۔ مثلاً معاشی لگان اگر زراعت پیشہ طبقہ سے وصول کیا جاتا ہے تو کارخانہ داروں اور شہروں کی سکونتی اراضی کے مالکوں سے بھی وصول کرنا چاہیئے۔ نظری معاشیات نے تو اس حقیقت کو بخوبی واضح کردیا ہے کہ معاشی لگان مفت عطیہ قدرت ہے یا موافق حالات کا مفت عطیہ ہے۔ اگر سرکاری اغراض کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک کا کل معاشی لگان سرکار اپنے قبضہ میں کرلے تو اس میں کوئی ناانصافی نہیں کیونکہ معاشی لگان حقیقت میں محنت یا تشغل اصل یا تنظیمی قابلیت یا اعلیٰ کارکردگی کا معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ غیر اختیاری مفید اثرات کا نتیجہ ہے، پس معاشی لگان لینے میں ناانصافی کا شائبہ بھی نہیں۔ مگر ناانصافی اس صورت میں نمودار

ہوتی ہے جب کہ معاشی لگان زراعتی طبقہ سے وصول کیا جائے اور اور ذرائع سے پیدا شدہ معاشی لگان پر سرکار دعویدار نہ ہو۔

عہد جدید میں انصاف کے پہلو کو جس قدر ملحوظ رکھا جاتا ہے اس کی بہترین مثال غالباً محصول آمدنی کے ٹیکس تنزائد سے ملتی ہے جس کی بنا پر جیسے جیسے آمدنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے شرح محصول بھی بڑھتی جاتی ہے۔

ٹیکس چونکہ لازمی طور پر مجبوراً ادا کرنا پڑتا ہے اور چونکہ ٹیکس عائد کرنے کا سرکار کو اختیار واقتدار ہے لہذا اس امر کا ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ حکومت اس طریق سے ناجائز فائدہ حاصل کرے گی۔ یعنی یہ کہ نہ صرف ضروری اخراجات کے لئے صحیح اصول پر ٹیکس وصول کرے گی۔ بلکہ فضول خرچیوں کے لئے، غلط کاریوں کے لئے، اور سب سے بڑھ کر عہدہ داروں کی شکم پری کے لئے بیجا طور پر ٹیکس عائد کرے گی۔ لہذا سیاسیات و مالیات نظری نے اس اصول کو بھی تسلیم کرلیا ہے کہ "تاوقتیکہ ٹیکس ادا کرنے والوں کے نمائندے رضامند نہ ہوں، ٹیکس نہیں عائد کرنا چاہیئے"۔ یہ اصول حقیقت میں ایک سیاسی تحریک کا نتیجہ ہے جس کا زریں اصول یہ تھا "no taxation without representation" یعنی بغیر نیابت کے ادائی محصول ناممکن ہے" اس زمانہ میں عوام کی طرف سے صدائے احتجاج بلند ہو رہی تھی کہ جب تک ہمارے نمائندوں کو مجلس مقننہ کے ارکان بننے کا موقع نہ دیا جائے گا ہم ہر محصول کی چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز مخالفت کریں گے۔

تبدریج یکے بعد دیگرے حکومتوں کو مجبوراً محصول ادا کرنے والوں کے نمائندوں کو مجلس مقننہ کے ارکان بنانا پڑا۔ بالفاظ دیگر انہیں سیاسی حقوق دینے پڑے۔ بہرحال اب یہ اصول نظری مالیات میں بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ اصول عائد کرتے وقت اصول ادا کرنے والوں کے نمائندوں کی منظوری لینی چاہیئے تاکہ ناجائز تحصیل رقومات کا احتمال کم ہو۔

جس طرح ٹیکس کرنے کے اصول نظری مالیات نے بیان کئے ہیں اسی طرح سرکاری آمدنی

کے خرچ کے بھی مقررہ اصول و معیار ہیں۔

سب سے پہلے اخراجات میں تحفظ ملک کا لحاظ مقدم ہے ہر حکومت کا اولین فرض یہی ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ ملک کو بیرونی اور اندرونی دشمنوں سے محفوظ رکھے اور تحصیل معاش میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے امن و امان قائم رکھے۔ خانہ جنگیوں، فسادات، اور بیرونی حملوں سے ملک و قوم کو محفوظ رکھنا گویا حکومت و سلطنت کا اولین فرض ہے اور اس غرض کے لئے جو اخراجات کئے جائیں وہ سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ مقدم ہیں۔ یہ مسلم ہے مگر "تحفظ ملک" کے بہانے "توسیع ملک" کی خاطر یا تحفظ ملک کی آڑ میں "سطوت سلطنت" کے لئے ڈرائونی افواج کا اکٹھا کرنا، مہلک آلات حرب و ضرب کا پیدا کرنا اپنی فوجی طاقت کے جا بجا مظاہرے سے پڑوسی سلطنتوں کو مرعوب کرنا۔ پڑوسی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں خواہ مخواہ دخل اندازی کر کے لشکر کشی اور مردم کشی پر آمادہ ہونا، بالفاظ دیگر قومیت کے پردے میں شہنشاہی اور بین الاقوامیت کے بھیس میں نادرشاہی کے اصول پر عمل کرنا، نہ صرف ملکی مفاد کے سراسر برخلاف بلکہ بین الاقوامی امن کے سراسر منافی ہے۔

اخراجات کا دوسرا اصول "مفاد عامہ" ہے یعنی یہ کہ روپیہ پیسہ ایسے مدوں پر خرچ کرنا چاہیئے جن سے عوام مستفید ہو سکتے ہوں اور جو عام بہبودی و مرفہ الحالی کے لئے مفید ہو۔ چنانچہ ایسے محکمہ جات کو انگریزی میں "nation building departments" یعنی قومی تعمیری محکمہ جات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اخراجات کا تیسرا اصول پیدا آور غرض و غایت ہونی چاہیئے۔ یعنی یہ کہ سرکاری اخراجات میں بھی حتی المقدور اس امر کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ پیسے پیدا آور اغراض مثلاً تعمیر نہر، تالاب، بندرگاہ وغیرہ پر صرف ہو۔

اخراجات کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ان کے ذریعے تہذیب و شائستگی میں ترقی ہو۔ گذشتہ صدیوں کے تجربے اور موجودہ نیم ترقی یافتہ ممالک کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ کوئی قوم تہذیب و شائستگی میں اس وقت تک ترقی نہیں کرتی تاوقتیکہ حکومت و سلطنت
کی طرف سے تہذیب و شائستگی کو عام کرنے کی کوشش نہ کی جائے تہذیبی ترقی کے لئے یہ
ضروری ہے کہ نہ صرف زبان و ادب بلکہ فنون لطیفہ کی سرپرستی کی جائے، سرکاری تھیٹر اور
سینما قائم کئے جائیں جنمیں ادبی ناٹک اور مہذب تعلیمی فلم دکھلائے جائیں، زبان و ادب کی ترقی
کے لئے متعدد مقامات پر کتب خانے اور دارالمطالعے قائم کئے جائیں، عمدہ طباعت کتب و رسائل
کا انتظام کرانے میں حکومت مدد دے. وقتاً فوقتاً موزوں مقامات اور موزوں اوقات پر
مثلاً میلے تہوار، جاترا یا عرس کے موقعے پر نمائش کا انتظام کر اگر نہ صرف ان کی مادی،
مرفہ الحالی میں ترقی کا باعث بنے، بلکہ ان کے مذاق ادب، مذاق حسن پر عمدہ اثر ڈال کر قوم
کو تہذیب و شائستگی میں ترقی کرنے کا موقع دے. اسی طرح مخطوطات کی قدر کرنا، پرانی قلمی
تصاویر کا یکجا فراہم کرنا، تصویر گھر (art galleries) اور عجائب خانے قائم
کرنا حکومت کے تمدنی فرائض میں داخل ہے لہٰذا اخراجات کا چوتھا اصول یہی قرار پایا
ہے کہ حکومت تہذیبی اخراجات (cultural expenditure) برداشت کرے

نظری مالیات کا یہ مختصر خاکہ کھینچنے کے بعد اور ٹیکس وصول کرنے کے اور آمدنی صرف
کرنے کے اصول بیان کرنے کے بعد اب ہم حکومت ہند کی خرچ کی مدیں بیان کرتے
ہیں اور اس کے بعد اہم ترین ذرائع آمدنی اور خرچ کی مدوں پر تنقیدی تبصرہ کرینگے

(باقی آئندہ)

برکھا رُت

گھنگھور گھٹا اُمڈ کے چھائی — لو رت بدلی بہار آئی
بادل آتے ہی رنگ بدلا — چھینٹا پڑتے ہی ڈھنگ بدلا
برسات نے لخلخہ سُنگھایا — گرمی ماتوں کو ہوش آیا
سوندھی سوندھی جو باس آئی — مرجھائے دلوں میں آس آئی
بھورے بادل پرا جمائے — کالے میگھا بھرے بھرائے
آئے اور گڑگڑا کے برسے — برسے اور پڑپڑا کے برسے
برسے کالے پہاڑ بادل — سرسبز ہوئے اجاڑ جنگل
پہلا پانی یہ رنگ لایا — پلٹی، روئے زمیں کی کایا
حیران ہے نظر کہ زمیں ہے — یا روکش جنت بریں ہے
ہر کھیت چمن بنا ہوا ہے۔ — ہر باغ دلہن بنا ہوا ہے
جوبن ہر برگ و بار پر ہے — ہر نخل چمن بہار پر ہے
شاخیں مستی سے جھومتی ہیں — لہرا کے زمیں کو چومتی ہیں
رس کیا ہے پھلوں میں مدھ بھرا ہے — پتا پتا جھکا ہوا ہے
چڑیاں جو یہ چہچہا رہی ہیں — ہیں مست ملار گا رہی ہیں
گل آب حیات میں نہائے — نکھرے سنورے، سجے سجائے
ڈوبے ہیں شباب زندگی میں — سرشار شراب زندگی میں
ہیں پھول جو زندگی سے سیراب — کانٹے بھی ہیں نرم. سبز شاداب
پھولوں کی مہک جو جاں فزا ہے — کانٹوں کی چمک بھی دلربا ہے

رشکِ آئینہ صاف نہریں — بحرِ ہستی کی پاک لہریں
کس جوش و خروش میں رواں ہیں — سرمد کی تلاش میں دواں ہیں
پھر کیفِ بہار کی ادائیں — فطرت کی مست کن ادائیں
سیلاب ہے ذوقِ جستجو کا — طوفاں ہے شوق و آرزو کا

غزل

از جناب سیّد عابد علی صاحب عابدؔ

شرع سے دشمنی خدا سے گریز — ہائے عابدؔ کی طبع کفر انگیز
نہ مجھے حورِ خلد کی خواہش — نہ حسینوں کے عشق سے پرہیز
واعظوں کو ریاضِ خلد کے خواب — میگساروں کو عشرتِ پرویز
گیسوؤں والیاں ہیں محوِ نیاز — تبکدے کی فضا ہے عنبر بیز
غرق ہے سوز میں وصال کی رات — موجہائے بہار سے لبریز
اللہ اللہ میکدے کی فضا — نغمہ زن گلفشاں محبت خیز
آہ وہ ابتدائے شوق کے دن — آہ وہ گفتگوئے مہر انگیز
عشرتیں کائنات کی فانی — عشرتوں کا خیال درد انگیز
مطرب اک نغمہ نشاط افروز
ساقیا! جام بادہ گلریز

افغانوں کے نسب کی تحقیق

یہ مضمون جناب محمد حسین صاحب سابق مدیر تعلیمات ممالک محروسہ افغانستان نے ہمارے رسالے کو عنایت فرمایا ہے۔ ممدوح کی تحقیق، افغانوں کی زبان اور ان کے تمدن کے متعلق مسلم ہے۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین جامعہ اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

پہلے میں تبریک کہتا ہوں جامعہ کے ہونہار اور قابل متعلم عبدالواحد صاحب کو، جنھوں نے بڑی وسعت نگاہ سے افغانوں کی تاریخ کو ایجاز کے ساتھ بیان کرتے ہوئے، ان کی خوبیوں کو بھی دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ اس کے لئے ان کا تشکر بھی ضرور ہے۔ مقالہ رسالے کے مضمون کی حیثیت سے بہت مبسوط اور نہایت مرغوب تھا۔ اسی رغبت کی وجہ سے مجھے ترغیب ہوئی کہ اس کی بعض اصلاحات لازمہ پر قلم زنی کروں، تاکہ لائق محرر اور نیز ناظرین کرام غلط فہمی میں نہ رہیں۔ اور شاید اسے دوبارہ پڑھ کر اور محظوظ ہو سکیں۔ بحث نسب ہی میں سارا معاملہ طے کرنے کی کوشش کروں گا۔

بے شک افغانوں کے نسب کا مسئلہ سخت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اور اس کے متعلق بیحد اختلافات ہیں۔ مگر اغلب یہ ہے کہ وہ آریائی نسل سے ہیں۔ چند لفظوں میں ظاہر نہیں ہو سکتا اس لئے لازم ہے کہ کسی قدر توضیح کی جائے۔ افغانستان میں بیشمار قومیں آباد ہیں، مثلاً ترک، مغل، ازبک، کرد، عرب، یہود اور ہنود وغیرہ۔ ان کے انساب جداگانہ اور متمیز ہیں۔ مگر سیاسی اصطلاح میں سب افغان کہے جاتے ہیں۔ حتی کہ ہندوؤں کو روسی ترکستان میں ٹیکے والا افغان پکارتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ماتھے پر، حس مشترک کی تعدیل کے لئے گرم اقلیم میں صندل اور اس کی اصلاح کے لئے درمیان گیرو لگایا جاتا ہے۔ یہودی بلخ اور ہرات

میں بستے اور سوداگری کرتے روس میں بھی چلے جاتے ہیں۔ بولشویکی حکومت نے جب شخصی جائدادوں کو ضبط کیا تو بعض روس کے یہودی بھی اپنی ملکیت محفوظ رکھنے کی خاطر افغان بن بیٹھے۔ افغانستان کے یہودی تو تھے ہی افغان، ان کے طفیل میں دوسروں کو بھی یہ شرف حاصل ہوگیا۔ اسی طرح دوسری اقوام افغانستان کے اندر علیحدہ پہچانی جاتی ہیں۔ مگر بین الاقوامی اور سیاسی اعتبار سے سب افغان سمجھے جاتے ہیں۔ ازبک اور ترکمان دریائے آمو اور کوہ ہندوکش کے درمیان بود و باش اور جدا زبان رکھتے ہیں۔ عرب سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر ان کی زبان فارسی اور پشتو ہے۔ جس علاقہ میں سکونت پذیر ہیں وہیں کی زبان بولتے ہیں۔ قندھار اور جلال آباد کی نواح میں سب سادات کی زبان پشتو ہے۔ کیونکہ وہاں کے باشندے صرف یہی زبان بولتے ہیں۔ افغانستان کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے کم نہیں۔ زبان کا تعلق نسب کے ساتھ بہت ہے۔ اگرچہ یہ عام قاعدہ نہیں کہ ایک زبان کے بولنے والے سب ایک ہی نسب کے ساتھ منسوب ہوں، جیساکہ عربوں کے استثنائے سے ثابت ہوا۔ افغانستان میں فارسی و عربی کے علاوہ سات اور زبانیں مروج ہیں، جو سب کی سب سنسکرت کی نسل سے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ زبان اگرچہ خود مردہ ہے مگر اس کی اولاد زندہ ہے افغانستان جیسے چھوٹے ملک میں بہ نسبت ہندوستان کے، نہ یورپین ممالک کے مقابلے میں کیونکہ اس کا رقبہ تقریباً تین لاکھ مربع میل ہے؛ تو زبانوں کا رواج اس کے دشوار گذار پہاڑوں کے بیچ میں حائل ہونے سے ہے۔ کیونکہ ایک جگہ کے رہنے والے دوسری سرزمین پر مشکل سے پہونچ سکتے ہیں۔ اسی طرح نسب بھی مخلوط نہیں ہونے پاتا۔ ایسے درّے موجود ہیں جہاں کے باشندے زبان کے علاوہ قد و قامت اور شکل صورت سے ہی فوراً شناخت ہوسکتے ہیں کہ فلاں فلاں محلات کے رہنے والے ہیں۔ پنجاب کے پہاڑوں سے گذر کر آپ کشمیر اور چترال سے ہوتے ہوئے کابل کے شمال میں پہونچیں، ایسا معلوم ہوگا کہ بتدریج ایک پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ جہاں کے حجر و شجر بلندی کے لحاظ سے تھوڑا تفاوت دکھاتے جاتے ہیں

ورنہ در اصل ایک ہی جنس و صنف کے سلسلے میں مربوط ہیں۔ بلوط کی جھاڑیاں آہستہ آہستہ بڑھ کر بلندی میں تناور درخت ہو جاتی ہیں۔ مگر قسم وہی رہتی ہے۔ پتھر بھی ریت کی آمیزش سے نکل کر سنگ خارا و مرمر ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کی مشابہت بلکہ مماثلت میں فرق نہیں پڑتا۔ یہی حال آپ پنجاب کے پہاڑوں اور کوہستان کابل کے باشندوں کے درمیان پائیں گے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ یہ سب لوگ زبان اور رنگ بلکہ چہروں کی بناوٹ کے ملنے جلنے سے ایک ہی شجرہ کی شاخیں ہیں۔ ان مختلف زبانوں کے بولنے والے افغانستان کی اصطلاح میں تاجیک کہلاتے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ اس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ غیر پشتون لوگوں پر حاوی ہے۔ مگر بعض اقوام اس قدر بڑی اور مستقل ہیں کہ تاجیکوں سے خارج سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً بربری یا ہزارہ قوم مغل ہے جو بالکل متباین صورت رکھتی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں یہ سب فارسی بولتے ہیں جو ایرانی تسلط کا بقیہ ہے۔ ہزارہ جات بڑا وسیع خطہ ہے جو افغانستان کے تین بڑے صوبوں، کابل، قندھار اور ہرات کے درمیان واقع اور تینوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ (ان کے علاوہ مزار جس میں بلخ داخل ہے۔ قطغن جس کے ساتھ بدخشاں شامل ہے۔ دو اور صوبے ہیں۔ ان کے سوا خوست، میمنہ، فراہ اور جلال آباد چھوٹے صوبے ہیں)۔ قریباً قرن سے قبائل افغان رحلت الصیف ہیں۔ یہاں آکر اقامت گزیں ہوتے ہیں، مگر ان کے ساتھ میل جول نہیں کرتے۔ بلکہ نسبی اور مذہبی اختلاف کے سبب آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ہزارہ لوگ سوائے ایک سنی قبیلے کے جو ہرات میں ہے، باقی سب شیعہ ہیں۔ یہ بیان کر دینا یہاں مناسب ہوگا۔ کہ اعلیٰ حضرت محمد نادر خاں نے جہاں افغانی اتحاد میں بہت کچھ سعی بلیغ فرمائی ہے۔ بڑی کامیابی اس بارے میں حاصل کی ہے کہ افغان و ہزارہ کی نزاع بڑی جد و جہد کے بعد رفع کر دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبائل افغان بالکل مختلف حالت رکھتے ہیں۔ جہاں گرمیوں میں مدتوں پہلے رہتے تھے، وہاں اب رہتے ہیں جس علاقہ میں سینکڑوں سال قبل سردیاں کاٹنے جاتے تھے۔ وہاں اب بھی جاتے ہیں جس وقت

بچہ سقہ کابل میں براج رہا تھا اور میں پشاور کی طرف آرہا تھا تو راستے میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں اونٹ دیکھے جو افغان مرد وزن اور مال و اسباب سے لدے کابل میں سے ہو کر ہزارہ جات کی طرف بے کھٹکے جارہے تھے۔ اسی طرح یہ افغان ہندوستان اور یہاں سے گذر کر سمندر پار جاتے ہیں اور ہمیشہ سے یہی ان کا وطیرہ ہے۔ اگرچہ متعدد سلطنتوں کے تغیر و تبدل نے افغانستان کو بارہا زیر و زبر کیا۔ مگر ان لوگوں پر انقلابات کا بہت کم اثر ہوا۔

سکندر کے حملے سے لے کر نادر شاہ کی ہندوستان پر چڑھائی تک سب فاتحین کو ان کے ساتھ پالا پڑا ہے۔ اور سبھی نے، جن میں سلطان محمود بھی داخل ہے۔ اول ان سے بے اعتنائی کی۔ آگے چل کر ان کے ہاتھوں لوٹے گئے۔ آخر ان کی اشتمالت کو مصلحت سمجھا۔ تیراہ وغیرہ میں انگریزوں کی مہمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان قبیلوں کو ایک جگہ سے دوسری میں منتقل کرنا تو درکنار ان کے اپنے مسکن میں قدم رکھنا ہی ایک سخت ہولناک حرکت ہے۔ جس کی جرات ایک دور اندیش دشمن نہیں کر سکتا۔ اکبر نے یہ جسارت کی جس کا انجام بیس ہزار مغل سپاہ کی ہلاکت ہوا۔ پیر روشن نے پہاڑی افغانوں کو متحد کر لیا۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے پشاور میں بادشاہی کا اعلان کیا، غزنی کو فتح کر کے دو سال اس پر قابض رہا۔ جلال آباد کا شہر بسایا اور زین خاں اور ٹوڈرمل کو دو مقاموں پر شکست فاش دی۔ اگرچہ جہانگیر کے عہد میں مکر و حیلے سے افغانوں کی منضبط مخالفت دفع کر دی گئی۔ مگر یہ اپنے علاقوں میں ویسے ہی آزاد و خود مختار رہے جیسے صدیوں پہلے تھے۔ اورنگ زیب کی حکومت میں خوشحال خاں خٹک اپنی حریت کا یوں اعلان کرتا ہے:۔

(پشتو رسم الخط کی ہے)

تر منصب پورے خوشحال خٹک نوکر وو، چہ منصب ورکئی لاڑ
ارس بادشاہ دی۔ چہ مہ تنخواہ دمغل خوڑ یو، ملک وم۔ چہ اوس
تنخواہ نشتہ یو ملک یم۔

منصب تلک خوشحال خٹک نوکر تھا جب اس سے منصب جاتا رہا تو اب بادشاہ ہے۔ جب میں

مغل کی تنخواہ کھاتا تھا تو ایک ملک (لکھیا' بنہ دار) تھا اب جو تنخواہ نہیں ہے تو ایک فرشتہ ہوں؛

تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو افغان میدانی ممالک میں رہتے تھے وہ زبردست حملہ آوروں کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلا افغان بادشاہ ملتان میں شیخ حمید لودی تھا۔ جو سلطان محمود کے ساتھ متواتر مقابلے کرکے آخر مغلوب ہوگیا۔ اسی طرح قندہار بھی چونکہ ہموار مقام ہے' ایران کا خراج گذار رہا' یہاں تک کہ سلطان حسین کے زمانے میں گرگین خاں کو بڑے معرکوں کے بعد نکال کر حاجی میرویس خاں ہوتک نے افغانوں کے استقلال کو قائم کیا۔ اس افغانی بطل کا مقبرہ اب تک بڑی ویران حالت میں رہا۔ اعلیٰ حضرت محمد نادر خاں کے زریں عہد میں جب مستحق زندوں اور مردوں کی پوری قدردانی ہوئی' اس بزرگ شخص کا روضہ بڑی شان کے ساتھ مرمت و تعمیر کرایا گیا۔ اس کا بیٹا شاہ محمود خاں عالم شباب میں ایران کی قدیم سلطنت کو فتح کرنے میں کامیاب ہوا۔ جہاں اس نے یہ سکہ چلایا ؎

سکہ زد' از مشرقِ ایراں چو قُرصِ آفتاب
شاہ محمودِ جہانگیرِ سیادت انتساب

سکندر نے دارا کی مملکت کو فتح کیا اور نظامی نے اس کے کارنامے کو زندہ رکھا۔ شاہ محمود نے بھی ویسا ہی محیرالعقول کام کیا تھا اور نوجوانی میں سابق فاتح کی طرح فارسی تخت پر متمکن ہوا تھا مگر شعرائے اسلامی کے زوال کے باعث اس کی بے نظیر تسخیر کا احیاء کرنے کے لئے اب تک کوئی اہتمام نہیں ہوا۔

سکہ مذکورہ میں نسب سیادت بیان ہوا ہے۔ حالانکہ ہوتک ایک مشہور افغانی قبیلہ ہے۔ خود حاجی میرویس خود کو سید کہتا تھا اور وہ ایک مخلص شخص تھا جس سے تصنع کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی طرح اور متعدد طائفے آل رسولؐ میں شامل ہوئے ہیں۔ جن کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے۔ جس طرح سادات بیٹی کی نسبت سے ہی اولاد نبیؐ کہلاتے ہیں۔ ممکن ہے یہی سنت افغانوں میں اختیار کی گئی ہو۔ یا کوئی سید ان میں سکونت پذیر ہوکر ازدواج کے بعد

افغانی قوم میں مل جل گیا ہو۔ جیساکہ ایک سندھی عالم نے اسرار الافغان نامی ایک قلمی کتاب میں جو تین سو سال ہوئے تصنیف کی تھی، دعویٰ کیا ہے کہ اگر ماں افغان ہو اور باپ کوئی اور۔ تو بھی اس کی اولاد افغان سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب موصوف نثر و نظم میں شاہ قاسم سلیمانیؒ کے حالات پر لکھی گئی ہے۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ " افغانی عروج و زوال " کے مضمون کی طرح دونوں کے مصنف سندھی اور افغانوں کے مداح و خیر خواہ ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا۔

شاہ محمود کے بعد شاہ اشرف ہوتک نے پنجتن کی بجائے یہ سکہ ضرب کیا ؎

زلطفِ شہ اشرفِ حق شعار
بزر نقش شد سکۂ چار یار

جب نادر شاہ کے افشار نے دوبارہ ایران کو مسخر کیا تو قندھار میں شاہ حسین ہوتک کے ساتھ ڈیڑھ سال لڑائی جاری رہی۔ آخر ایرانی فاتح نے یہ فیصلہ کیا کہ افغانوں کو برائے نام باجگذار بنا کر ان کی مدد سے ایک طرف مغلوں کا اور دوسری طرف ترکوں کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ احمد پادشاہ کے ساتھ محاربے میں خود نادر شاہ رجعت پر آمادہ تھا۔ مگر افغان نہ مانے اور اکیلے صف آرا ہو کر مظفر و منصور لوٹے۔ اب ہوتک غلزائیوں کے بعد ابدالیوں یا درانیوں کی نوبت آئی۔ کیونکہ بغداد کا مہارز عبدالغنی خاں الکوزائی ابدالی تھا اور احمد شاہ بھی ابدالی تھا مگر سدوزائی، جس نے درانی کا لقب اختیار کیا اور اس کے بعد ابدالی درانی کہلانے لگے۔ بارک زائی بھی انہی کے گھرانے میں سے تھے۔ اور اس کا ایک قبیلہ جلیلہ محمد زئی برسر حکومت ہے ۔

یونانی مورخ ہیروڈوٹس ساڑھے چار سو سال مسیحؑ سے قبل افغانستان کی جغرافی تقسیم جن عنوانوں کے ساتھ بیان کرتا ہے وہ تھوڑے تفاوت سے اب بھی موجود ہیں

آریانہ ہرات کا علاقہ ہے جسے ابتدا میں مسلمان "ہر" کہتے تھے۔ مشرق میں ستگدیا تھا جہاں اب خٹک اور شینتک رہتے ہیں۔ داویکیا تاجیک سے مشابہ ہے۔ اپاریتیا سے آفریدی ملتا جلتا ہے۔ بلکہ افغان "ف" کو "پ" سے تلفظ کرتے ہیں۔ گندار یا پشاور سے متصل جلال آباد تک پھیلا ہوا تھا۔ ہیون سنگ چینی سیاح کے تذکرے کے مطابق جس نے شروع سنہ ہجری میں افغانستان کا سفر کیا تھا، گندار یا میں بدھ کی مقدس دیگ موجود تھی جس سے بڑھ کر اس سمت کا اور کوئی پاک بقیہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جب یہاں کے باشندے قندھار کی طرف فرار کر دیئے گئے تو اس مشہور ظرف کو بھی ساتھ لیتے گئے اور جب خود مسلمان ہوئے تو اس کو بھی آیات قرآنی سے مشرف کیا۔ امان اللہ خاں لے کے کابل کے میوزیم میں لے آئے۔ مگر ہاتھیوں پر لادتے اتارتے اس میں ایک درز پڑ گئی۔ گندار یا کے باشندوں نے قندھار کو اپنے اصلی وطن کے نام سے موسوم کیا اور مرزا الغ بیگ کی حکومت میں جب موقع ملا تو پھر اپنے قدیمی گھر میں آ بسے۔ سینکڑوں سالوں کے بعد بھی اپنے مرز و بوم کو نہ بھولنا افغانی خاصہ ہے۔ اور اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ افغان افغانستان ہی کے اصلی باشندے ہیں +

آریانہ میں فیروز کوہ ہے، جس کا سلسلہ ہرات سے جاری ہو کر غزنی تک واصل ہے یہ ہزاروں میل لمبے چوڑے اونچے پہاڑ افغانوں کا مسکن رہے ہیں۔ اور اب بھی بادام اور پستہ سے لدی لاکھوں اونٹوں کی قطاریں ویسے ہی ابدی امان و اطمینان سے وہاں گذرتی ہیں۔ جیسے برہمنوں کے وقت میں آتی جاتی تھیں۔ اسی آریانا سے نکل کر جرمن قومیں یورپ پر مسلط ہو گئیں جیسے سوری خاندان ہندوستان پر غالب آیا۔ یہی غوریوں کا ملجا تھا جو سلاطین غزنوی کی اطاعت میں کبھی نہیں آئے۔ بلکہ مساوی درجے پر ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے تھے۔ جب ان کے ساتھ بدسلوکی ہوئی تو ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ ابوالملوک کے ایک بیٹے کو غزنی میں گدھے پر سوار کرا کے رسوا کیا گیا۔ تو دوسرے

نے انہی ظالموں کو فیروز کوہ میں لیجا کر ان کے خون سے قلعہ کی دیوار کو رنگین کیا۔ تیسرا بھائی گھوڑوں سے اتر کر ملکی انتظام میں مشغول ہوا تو چوتھے نے کاٹھیاواڑ میں پہونچکر سمندر کے کنارے جہاز بنانے شروع کئے جہاں سے اس کا سکہ نکلا ہے جو پہلا سجع کہا جاتا ہے +

چمل بدار الضرب گردوں مُہر مہر و ماہ باد

سکۂ سلطاں شہاب الدین محمد شاہ باد

یونانی حملے کے وقت افغانستان کے ایک علاقہ کا نام پکٹیا تھا۔ اگر البانیا کی کوئی قوم اوغان کہلاتی تھی تو برطانیہ کے پکٹ بھی ممکن ہے ان کے ہمنام ہوں۔ یہ محض اتفاق کی بات ہے۔ پکٹیا سے "پختون" مشتق ہے، اس کے برعکس "پشتون" بھی اسی کا دوسرا تلفظ ہے۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ پروشیا اور بویریا کی زبانوں میں بھی ایسا ہی فرق پایا جاتا ہے۔ شلاً انگریزی نائٹ (NIGHT) کو ایک جگہ ناخسٹ اور دوسرے مقام میں نیئشٹ بولتے ہیں۔ پشتو قطعاً آریائی زبان ہے۔ اور اگر زبان نسب کے سلجھانے میں کوئی مدد دے سکتی ہے تو افغان آریا ہیں۔ ہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ افغان ایک اجنبی لفظ ہے۔ جسے ایرانیوں نے استعمال کیا۔ خواہ کسی روایت کی بنا پر، یا جیپال کی لڑائی میں افغانوں کی جرات و بسالت کو دیکھکر، جس کا مشاہدہ اب بھی روزمرہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں پھر جرمنوں سے تشابہ ہوتا ہے، کیونکہ صرف انگریز ان کو جرمن کہتے ہیں فرانس میں وہ المان کہلاتے ہیں۔ اور ترکمانوں میں لمان ڈاکوؤں کے گروہ کو کہتے ہیں۔ جرمن خود اپنے کو ڈوئچ کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر جرمن اس کے سوا اور کسی نام کو سمجھتے تک نہیں۔ یہی حال افغانوں کا ہے جو کوہ و صحرا میں رہتے ہیں۔ وہ کلمۂ افغان سے آشنا ہی نہیں کیونکہ یہ عجمی لفظ ہے۔ اور پشتو میں داخل نہیں ہے۔ پشتو میں افغانوں کو پشتون کہتے ہیں۔ جس کی جمع ہے پشتانہ اور پٹھان مرادف۔ آریائی اُلسنہ میں "شست" اور "ٹھ" کا تبادل ہو جاتا ہے۔ جیسے پشت، پیٹھ، ہشت، آٹھ +

احتمال ہے کہ عربوں کی طرح یہودی بھی کسی مجہول زمانے میں افغانستان میں آکر افغانوں کیساتھ مل جل گئے ہوں چنانچہ ان کی بعض رسوم کسی نہ کسی قبیلہ میں پائی جاتی ہیں اور ان کی شکل و شباہت بھی اس پر شاہد ہے مگر آریائی چہرہ سکہ رنگ و رواج اس قدر غالب ہے کہ اس کے مقابلہ میں اسرائیلی اثر کچھ بھی نہیں کانسی بھڑایچ منگل جدران وغیرہ افغانوں کے بڑے قبیلے ہیں اور یہ سب آریہ ہندووں میں بھی موجود ہیں مثلاً جدران جنوب افغانستان میں رہتے ہیں اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھی اکثر ہندو اور بعض مسلمان جو اسی جات اور گوت سے منسوب ہیں. بستے ہیں اس سے بڑھ کر چین کی طرف سرحد میں ایک طائفہ افغان ہے اور اسی کا ہمنام جوار میں ہندو ہے اور دونوں کی زبان پشتو ہے اسلام کا نور ایک پر چمکا اور دوسرا اندھیرے میں پڑا رہا۔

عبرانی زبان کا نام و نشان پشتو میں نہیں ملتا اور اس میں سنسکرت کی صرف و نحو بھری پڑی ہے اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ ایک طرف پنجابی دوسری طرف فارسی اور درمیان میں پشتو واقع ہے فارسی سے صرف بعض کلمات مستعار کئے گئے اور ان کو پشتو صرف کے واسطے سے اپنا بنایا گیا مثلاً چراغ کو ژراغ اور جائے کو خائے لکھ کر ایک کا تلفظ ث کے اور دوسرے کا ز کے قریب کیا گیا مگر پنجابی کے ساتھ تعلق بہت زیادہ ہے. یہ کور کشے خاص پشتو ہے جو کورکشے اور کورکے بھی بولا جاتا ہے. کابل کی طرف کورکے اور وزیرستان سے نیچے کورچے کہتے ہیں اور یہی بنو میں گھروچ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ ماضی متعدی کی ایک خصوصیت دونوں زبانوں میں ایسی مشترک ہے جو دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ملتی یعنی فعل مفعول کا تابع ہوتا ہے نہ فاعل کا جیسا کہ اور سب زبانوں میں قاعدہ ہے مانعرہ وکڑہ ہیں نے نعرہ کیا - مانعرے وکڑے میں نے نعرے کئے، یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جمع کا قاعدہ بھی دونوں میں یکساں ہے فارسی اور پنجابی کے مخصوص حرف جو عبرانی میں بالکل مستعمل نہیں ہوتے سب پشتو میں موجود ہیں اور ان میں بھی پنجابی کی طرف میلان بہت زیادہ ہے. یہ باتیں پشتو کے آریائی زبان اور افغانوں کے آریائی ہونے پر دال ہیں۔

بدوی انصاف

یہ واقعہ شریف حسین بن علی کے زمانہ میں ہوا جس کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا اس قصے سے بدوی لوگوں کی شرافت ان کے عدل و انصاف اور اپنے قانون کے احترام کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

(ابو حمزہ حسینی)

صحرائے عرب میں ہزاروں قبائل اس وقت ایسے آباد ہیں کہ ان میں انسانی اعلیٰ اخلاق بہ درجہ کمال موجود ہیں۔ وہ نہ مفسد ہیں اور نہ متکبر ان کے قلب نور ایمان سے منور ان کے عادات پسندیدہ ہیں وہ اپنے اسلاف اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے صحیح معنی میں جانشین ہیں۔ وہ ان کمین خصلت اور رذیل سیرت وحشیانہ اخلاق والے بدوؤں سے بالکل مختلف ہیں جن کا پیشہ لوٹ و غارتگری کے سوا کچھ نہیں ہے ایسے لوگ نہ اپنے قبیلہ میں عزت کے مستحق ہیں اور خود ان کے گھر والے ان کو معزز سمجھتے ہیں اور نہ ان پر بھروسا کرتے ہیں۔ عموماً دوسرے قسم کے ہی لوگوں سے متمدن دنیا روشناس ہے اسی وجہ سے لفظ بدوی غارتگروں اور لٹیروں قاتل سفاک لوگوں کے ایک گروہ کے ہم معنی ہو کر رہ گیا۔ آج ہم ناظرین کے سامنے ایک صحیح واقعہ بدوی عدل و انصاف کا پیش کرتے ہیں یہ واقعہ گذشتہ زمانوں یا عباسی یا اموی دوروں کا نہیں بلکہ ابھی بیس سال بھی پورے نہیں ہوئے یہ واقعہ ملک عرب کے اس حصہ زمین میں پیش آیا ہے جس کے حالات بہت کم ہمیں معلوم ہیں۔ اس عدل و انصاف کے مقابلہ میں ہمارے متمدن اور مہذب ممالک کی مقدمہ بازی فریقین کے دلائل دکلا کی بحث پر نظر کیجئے اور اس صاف اور سیدھی سادی روئیداد پر نظر ڈالئے اور وحشی عربوں کی سیرت کا اپنے اہل ملک سے مقابلہ کیجئے۔

صحرائے عرب میں ایک قبیلہ ظفیر نامی آباد ہے جس کا شیخ حمود بن سویلہ ہے خدا تعالیٰ نے شیخ موصوف کو اعلیٰ انسانی اخلاق سے ممتاز فرمایا ہے۔ چند سال ہوئے جب ان کی آبادی میں زرق نامی ایک شخص نے آکر پناہ لی صاحب قبیلہ کلادی کے شیخ تھے زمانہ کی گردش سے پریشان ہوکر مع اپنی بیوی اور اکلوتے بیٹے خرج کے شیخ حمود کی پناہ میں آئے۔ شیخ حمود نے ایک مکان ان کی رہائش کے لئے اور تین اونٹنیاں ان کے دودھ کھانے اور معاش پیدا کرنے کے لئے عنایت فرمائیں۔ شیخ رزق نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ چال چلن کی وجہ سے خصوصاً اپنی شجاعت و لیاقت سے بہت جلد شیخ حمود اور اس کے قبیلہ کی نظر میں خاص عزت اور توقیر حاصل کر لی۔

خرج ابھی بچہ تھا قبیلہ ظفیر کے بچوں کے ساتھ ان کی بدوی طریقہ پر تربیت ہونے لگی لڑکا ہونہار تھا بہت جلد بدوی شرافت اور شجاعت اس سے نمایاں ہونے لگی رفتہ رفتہ لڑکا چودہ سال کا جوان ہوگیا۔ اس زمانہ میں شیخ حمود کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے مخالف قبیلے مطیر کے خلاف ایک لشکر انتقاماً روانہ کرے اس نے ایک مہم ترتیب دی جس کا سردار اس کا اکلوتا بیٹا جعلان نامی تھا۔ شیخ زرق کا بیٹا بھی شریک تھا۔ جب یہ چھوٹا سا لشکر تیار ہوگیا تو جعلان کو بلا کر شیخ حمود نے حسب ذیل ہدایات کیں۔

میرے بیٹے کوچ کے وقت پوری رازداری اور احتیاط سے کام لینا۔ دشمن کے مددگار اور جاسوس تمہارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں ان سے تم کو پوشیدہ رہنا ہوگا۔ تمہارے اور دشمن کے ملک کے درمیان پانچ منزلیں ہیں اگر سوار مسلسل چلا جائے تو پچاس گھنٹے سے قبل نہیں پہنچ سکتا۔ اس راستہ میں پانی کی قلت اور دشمن کے مددگار اور جاسوسوں کی کثرت ہے۔ اس لئے ہر وقت ہوشیار اور محتاط رہنا چاہیئے دشمن کی کثرت اور اس کی قوت کا ہراس ہرگز دل میں نہ آنے دو۔ فتح و شکست قلت اور کثرت پر منحصر نہیں بلکہ حسن تدبیر اور صبر اور سب سے زیادہ خدا پر بھروسا کرنے پر منحصر ہے باہم اختلاف پیدا نہ ہونے دو۔ تکبر حقیقت میں شیطان کا نہایت زبردست فریب ہے اور اس فریب کے ذریعے سے وہ آپس میں دشمنی اور عداوت کا بیج بویا کرتا ہے اس سے ہمیشہ محترز رہو

اگر تمھارے دشمن میں پھوٹ پڑگئی اور باہم نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا ہوگئے تو شکست یقینی ہے۔ اور شکست تمھاری اور تمھارے قبیلہ کی تباہی کی مترادف ہی جہاں تک ہوسکے ایسے وسائل سے اجتناب کرتے رہو جو باہم نفرت اور دشمنی پیدا کرنے والے ہوں۔ اگر تم آپس میں بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کے مددگار اور دوست رہوگے تو خدا کی مدد تمھارے ساتھ ہوگی۔ اور تم یقینی کامیاب اور بامراد ہوکر لوٹوگے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں فتح نصیب کرے تو عورتوں اور بچوں پر رحم کرنا۔ ان پر کسی قسم کی زیادتی روانہ رکھنا۔ انھوں نے تمھارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی جس کا بدلہ لینا ہو۔ صرف مردوں نے ہم پر زیادتی کی ہے جس کا ہمیں ان سے انتقام لینا ہے اگر تم کمزوروں اور ضعیفوں پر رحم کروگے اور ان کے معاون ہوگے تو خدا تعالیٰ قوی اور زبردست دشمن کے مقابلہ میں معین اور مددگار رہوگا اور تم کو کامیاب فرمائے گا۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا ورنہ آپس میں نفرت عداوت پیدا ہوکر تمھاری بات بگڑجائے گی اور دشمن تم پر غالب ہوکر تم کو تباہ کرڈالے گا۔ اب جاؤ تم کو اللہ کے سپرد کیا۔

جب شیخ اپنے اکلوتے بیٹے جعلان کو مذکورہ بالا نصیحتیں کرچکا تو اپنی مختصر سی فوج کی کمان اس کے سپرد کرکے اپنے مسکن کو واپس ہوا۔ جعلان اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھا۔ جنگلوں پہاڑوں۔ ویرانوں میں گذرتا ہوا یہ لشکر ہشاش بشاش بغیر کسی خوف و خطر اندیشہ کے چند روز میں دشمن قبیلہ مطیر کے قریب پہنچ گیا۔ نہ ان لوگوں کو گھر کی دوری کا رنج تھا اور نہ زاد راہ کی قلت اور کمیابی ان کو پریشان کررہی تھی وہ بہت خوش تھے اور یکساں طور پر جنگ کے آرزومند تھے۔ اب دشمن کی زمین اور اس کی آبادیاں قریب تھیں حجاز کے پہاڑ جہاں قبیلہ مطیر آباد تھا سامنے تھے لیکن اتفاق سے حملہ کرنے والوں کے پاس پانی بالکل ختم ہوگیا۔ جعلان نے احمد طواف نامی ایک بدو کو حکم دیا کہ تین آدمی ہمراہ لے کر دشمن کے کنوؤں پر جاؤ اور اپنی مشکیں اور پکھالیں بھر لاؤ چنانچہ احمد طواف اپنے ہمراہیوں کو لے کر کنوؤں پر حملہ کرنے گیا مقابلہ ہوا محافظین قتل ہوگئے احمد طواف کی جماعت نے کنوؤں پر قبضہ کرکے اپنی فوج میں پانی پہونچا دیا مشکیں اور پکھالیں بھر لی گئیں یہ لشکر

روانہ ہو کر دشمن کے مرکز سے صرف ایک منزل فاصلہ پر پہنچ گیا۔ جعلان نے اپنی فوج کو ایک وادی میں پوشیدہ کر کے کھانے اور پینے اور آرام لینے کا حکم دیا بعد اس کے اس نے نقشہ جنگ ترتیب دیا اور فوج کے روبرو حسب ذیل تقریر کی۔

"بہادرو ہم دشمن کے بالکل مقابل پہنچ گئے ہیں جنگ اپنے تمام لوازم مکر و فریب کے ساتھ تمہارے سامنے ہے۔ نجات کی کوئی صورت اب سوائے جنگ اور اس کے خطرات کو صبر و شکر سے برداشت کرنے کے نہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ جنگ کے مصائب کا نہایت شدت سے مقابلہ کریں انتہائی صبر و برداشت کا ثبوت دیں سب سے زیادہ یہ کہ خدا پر بھروسہ کریں اور یہ خیال پیش نظر رہے کہ ہم نے دشمن پر حملہ کرنے میں سبقت نہیں کی بلکہ خود دشمن نے ہم پر حملہ کر کے حملہ کی دعوت دی ہے ہم مظلوم ہو کر انتقام لینے آئے ہیں ہم ظالم نہیں اگر کوئی شخص اظہار عجز کرے لڑنے سے انکار کرے تو ہمیں قبول کرنا چاہیئے اگر ہم اس وقت حملہ نہ کریں اور دشمن کو اس کے حملوں کی بلا انتقام لئے اجازت دیتے رہیں تو یہ بزدلی و عار ہے جس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے دشمن ظالم اپنے کیفر کردار کو ضرور پہنچے گا۔ جو مصائب اس نے ہم پر پہلے نازل کئے تھے آج ہم اس کا انتقام لیں گے۔ اور وہی مصائب اس کو بدلہ میں اٹھانا ہوں گے مگر زمانہ کا ہمیشہ سے یہ ہی فیصلہ رہا ہے اور یہی اس جنگ میں ہوگا۔

میرے بہادرو میں تم کو خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں اور بچوں اور ضعیفوں کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ کرنا جب تم ان پر غالب ہو جاؤ تو کمزوروں کو تکلیف نہ دینا۔ اس کا بھی خیال رکھنا کہ اگر خدانخواستہ تم مغلوب ہوئے تو تم کو کہیں مفر نہیں تمھارا ملک یہاں سے بہت دور ہے اور دشمن کا ملک قریب ہے اور وہ تم کو بے موت مار ڈالے گا۔ خدا پر بھروسا کرو اور اس سے ڈرتے رہو اسی سے مدد مانگو کہ سوائے اس کے نصرت کے کوئی مدد اب آنے والی نہیں حقیقت میں تمھارا سوائے اللہ کے کوئی معین و مددگار نہیں۔

جعلان یہ سب نصیحتیں اور ہدایات اپنی جماعت کو دے کر ایک محفوظ جگہ میں اس کو پوشیدہ کرکے آرام کرنے لگا۔ علی الصباح اس نے مناسب وقت اور جنگی تدبیر کے مطابق حملہ کیا سب سے پہلے قبیلہ مطیر کے غلام حملہ کی زد میں آئے حملہ آوروں اور قبیلہ مطیر کے غلاموں کے درمیان خوب جنگ ہوئی بہادروں نے داد شجاعت دی اور غلام و آزاد کا فرق جلد نمایاں ہوا۔ مطیر والوں کو شکست اور ظفیر والے کامیاب ہوئے بقیۃ السیف نے ہتھیار ڈال دیئے جعلان اور اس کے ہمراہیوں نے تمام مال قبیلہ مطیر کا بطور غنیمت اپنے قبضہ میں کیا۔ مطیر کے قبیلہ والوں کو اس جنگ کی اطلاع ہوئی انھوں نے جلدی ہی اپنے بہترین سوار آگے روانہ کئے اور خود بھی جلد سے جلد جعلان کے مقابلے کے لئے چاروں طرف سے سمٹ آئے اب مطیر و ظفیر ہر دو قبائل میں سخت ترین جنگ ہوئی۔ فریقین کے سواروں کے حملے پیدل فوج کی مدافعت برابر جاری رہی آخر کار بہادروں کے مارے جانے اور جوانوں کے زخمی ہونے سے فتح و شکست کا فیصلہ ہوکر رہا۔ شکست قدرت نے قبیلہ مطیر کی قسمت میں لکھی تھی جو پوری ہوکر رہی۔ اب قبیلہ ظفیر کی فوج کو کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ بقیۃ السیف اہل مطیر فرار ہوگئے۔ جس قدر مال ان کا ممکن ہوا فوج ظفیر نے بطور مال غنیمت اپنے قبضے میں کیا جعلان اور اس کے ہمراہیوں کو اس فتح سے جو خوشی ہوئی اس کا اظہار الفاظ میں نہیں ممکن ہے۔

خرج بن رزق فوج ہراول میں تھا مال غنیمت میں اس نے ایک اونٹ پر قبضہ کیا جو شیخ قبیلہ مطیر کا اونٹ تھا اور تمام عرب میں اپنی خوبصورتی اور سبک رفتاری اور تیز روی کے لئے مشہور تھا یہ وہی اونٹ تھا جو چند سال قبل قبیلہ مطیر نے ظفیر والوں کو شکست دے کر بطور مال غنیمت حاصل کیا تھا۔ یہ لشکر مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔ جعلان آگے آگے حسب قاعدہ جا رہا تھا خرج اپنے مذکورہ بالا اونٹ پر سوار آگے بڑھا اور جعلان کے قریب ہوگیا ہمراہیوں نے خیال کیا کہ کہیں اس اونٹ کی وجہ سے ناخوشگوار حادثہ نہ پیش آجائے آخر کار جعلان نے اونٹ کی رفتار کو دیکھ کر کہا کہ یہ اونٹ تمھارے حصہ میں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ میرا حق ہے مجھے دیدو۔ اور اس کے عوض میں

دوسرا اونٹ لے لو خرج نے انکار کرتے ہوئے کہا یہ اونٹ میرے حصہ کا ہے کیونکہ اونٹ کے مالک کو قتل کرکے میں نے بدوی قانون کے مطابق قبضہ میں کیا ہے پھر یہ کہا کہ میں کسی چیز کے معاوضہ میں اس کو نہیں دوں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں مجھ سے کوئی شخص یہ اونٹ نہیں لے سکتا۔ خرج کا یہ جملہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ جعلان نے چشم زدن میں اپنی بندوق سے خرج کے گولی ماردی یکایک چودہ سال کا بدوی لڑکا خاک و خون میں تڑپتا نظر آیا

جعلان فوری جوش یا حالت بے خودی میں اپنے اعمال کے نتیجہ سے غافل کرنے کو تو یہ فعل کر گزرا مگر اب اس کو ہوش آیا اور اس نے خیال کیا کہ اس جلد بازی کا نتیجہ کیا ہوگا وہ روتا ہوا اپنے اونٹ سے اترا مجروح خرج کو گود میں لیا اور رونا شروع کیا۔ لیکن افسوس جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اب ندامت رنج بے فائدہ تھا۔

جعلان نے اپنے آپ کہنا شروع کیا۔ افسوس اے جعلان تو نے اس شخص کو اپنی حماقت اور جلد بازی سے فنا کردیا جس کو تیرے باپ نے پناہ دی تھی۔ تجھ پر اور تیرے خاندان پر تو اس کی حفاظت فرض تھی تو نے اپنے اس فعل منحوس سے عرب کی شرافت بدوی سیادت پر بدنما داغ لگا دیا سوائے تیری ہلاکت کے اب اس دھبے کو عرب کے پاک دامن سے اور کوئی چیز نہیں دھو سکتی۔ اگر تیری ہلاکت نہ ہوئی تو ہمیشہ ہمیشہ کی بدنامی اور رسوائی تیرے قبیلہ کو شرمسار رکھے گی۔ دوسرے بدوی تجھے کیا کہیں گے کیسی جہالت اور کیسی ناعاقبت اندیشی کی جس کی تلافی ناممکن ہے افسوس یہ تقدیر کا حکم اور قضا کا فیصلہ تھا جو ہو کر رہا سوائے صبر اب کوئی چارہ کار نہیں ہے

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا ؎

یہ کہہ کر اس نے خرج کو اپنے سینہ سے لپٹا لیا۔ اور رونے لگا۔ رنج و غم سے اس کے ساتھی مبہوت ہوگئے اور جعلان سے کچھ نہ کہا۔ اسی طرح بقیہ دن ختم ہوگیا۔ رات کے وقت جعلان نے

خود ہی ہمراہیوں کو مخاطب کرکے کہا کہ آؤ پہلے مرحوم کو دفن کریں میں تین دن تک اس کی قبر پر ماتم کروں گا تاکہ میرے اس گناہ کا کچھ کفارہ ہو سکے۔ تم میرے والد کی خدمت میں جاؤ اور جملہ حالات سے مطلع کرو اور میں نے یہ جو کچھ کیا ہے اس کی بھی اطلاع دو اور اس کو یقین دلادو کہ میں تین دن بعد ضرور بالضرور اس کی مکافات کے لئے حاضر خدمت ہوں گا ہمارے معزز مہمان رزق کو بھی مطلع کرو اور یہ بھی کہدینا کہ آپ مجھ سے زیادہ مرحوم کی تکفین و تدفین میں مبالغہ نہیں فرما سکتے تھے۔ مجھے جو کچھ محبت مرحوم سے تھی وہ قبیلہ والوں پر ظاہر ہے۔ یہ جو کچھ ہوا تقدیری امور تھے جن سے کوئی چارہ نہ تھا۔

بعد دفن جعلان کی ہدایت پر ہمراہی اس کو تنہا چھوڑ کر چلدئے ہر شخص اس حادثہ سے متاثر تھا ہر آنکھ رو رہی تھی اور آنسو شل بارش کے فاتح لشکر کی آنکھوں سے جاری تھے۔ اسی حالت میں یہ لوگ شیخ حمود کی قیام گاہ پر پہونچے۔ شیخ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا اتفاق سے رزق بھی اس کے پاس ہی موجود تھا دونوں باپ اپنے اپنے بیٹوں کی زیارت کے بیحد مشتاق تھے اور ان کی خواہش تھی کہ جلد سے جلد اپنے اپنے بیٹوں کی جنگی کارگزاریاں لوگوں سے سنیں اور حالات معلوم کرکے خوش ہوں۔

افسوس جب کہ کسی مبارک خبر کے سننے کی امید ہو اس وقت اس اچانک حادثہ کی خبر نے دونوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا۔ اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں دونوں پر رنج و غم نے سکوت طاری کر دیا۔ بہت جلد یہ خبر اور قبیلہ کے مرد و عورت میں عام ہو گئی اور تمام قبیلہ رنج و غم میں مبتلا ہو گیا ہر شخص اپنے زندوں کے لئے حفاظت کی دعا کر رہا تھا۔ اور اپنے مردوں پر خدا کی جناب میں نزول رحمت کا متمنی تھا۔

رات کو رزق معہ اپنی بیوی کے پوشیدہ طور پر روانہ ہوگیا اس کو اپنے میزبان سے خجلت تھی کہ اس کے میزبان اور اس کے خاندان نے عرصہ تک رزق اور اس کے خاندان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا تھا۔ چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کے قاتل کو جو حقیقت میں اس کے محسن کا اکلوتا بیٹا ہے معاف کر دیا جائے لیکن وہ اضطراب بغیر کچھ کہے سنے روانہ ہوگیا اور معافی کا اظہار نہ ہوسکا

شیخ حمود پر شیخ رزق کا اس طرح چلا جانا اور بھی شاق گذرا اب دنیا شیخ کی نظروں میں تاریک تھی تین گذارنے اس کو دوبھر ہوگئے کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی نہ وہ کسی سے بات کرتا تھا اور نہ کسی کام میں اس کا جی لگتا تھا نہایت اضطراب و پریشانی میں جعلان کا انتظار کرتے گذارے بار بار وہ غور و فکر کرتا کہ اس کے ایک ہی بیٹا وہی قبیلہ کا شیخ اور سردار ہے اس کے مرجانے کے بعد وہی جائز وارث ہے کیسا سعید بہادر اور جفاکش ہے اور پھر اپنے محبوب کو خود اپنے ہاتھ سے وہ کس طرح قتل کر دے گا۔ اگر قتل نہیں کرتا اور قصاص نہیں ہوتا تو قبیلہ ظفیر کی شرافت و عرب کی سیادت بدوی حمایت کیا محض اس کے بیٹے کی وجہ سے ضائع ہو جائے گی یہ بھی ممکن نہیں۔

تین دن گذر گئے حمود کوئی فیصلہ نہ کر سکا وقت مقررہ پر اس کا بیٹا جعلان آگیا اور اپنے والد کو سلام کر کے اس نے حسب ذیل تقریر کی۔

" ابا میں نے اس قبیلہ میں آپ کی گود میں پرورش پائی آپ کے مکان میں زندگی کے بہترین ایام گذارے آپ کی دولت و ثروت آپ کی محنت سے ہمیشہ کامراں و بامراد رہا لیکن جب تقدیری فیصلہ ہو تو آنکھیں اندھی اور عقل بیکار ہو جاتی ہے۔ میں نے آپ کے زریں نصائح سنے تھے ان کو یاد کیا اور عمل بھی کیا مگر افسوس قضا و قدر کا اٹل فیصلہ میری اور

آپ کی امیدوں کے خلاف ہوکر رہا میرے ہاتھ سے جو کچھ ہوا جو مجھے زیبا نہ تھا میں اپنے
اس گناہ ناقابل تلافی گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور آپ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں
کہ قبیلہ ظفیر کی شرافت اور عرب کی سیادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجھے قصاص لیا جائے میں بالکل
اس کے لئے تیار ہوں میرے انتقال کے بعد مجھے امید ہے کہ آپ اپنے شایان شان صبر سے کام
لیں گے اور ایسی کوئی بات نہ ہونے دیں گے کہ ہماری عظمت و شرافت پر کوئی حرف رکھ سکے
باپ نے جب کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے جواب میں کہا بیٹا آج میں وہ کچھ سن رہا ہوں
جس کی مجھے امید نہ تھی میں نے تین دن سخت اضطراب اور نہایت بے چینی سے گذارے
بہت غور و فکر سے کام لیا افسوس میں اپنے لئے کوئی بھی مفید راستہ اس مصیبت سے رہائی
کا تلاش نہ کر سکا۔ گذشتہ راتیں میری آنکھوں پر کٹی ہیں ایک منٹ کے لئے پلک نہیں جھپکی
اور نہ سکون قلب حاصل ہوا میں بار بار یہ فکر کرتا تھا کہ میرے بعد اب میرا اور میرے قبیلہ کا
وارث و شیخ کون ہوگا۔ افسوس میری امیدیں برباد ہوگئیں۔ میری بندوق کی گولی خود میرے
ہی ہاتھ سے میرے سب سے زیادہ بلکہ اپنی جان سے زیادہ عزیز کے دل میں پیوست ہو۔ میں
اس سانحہ فاجعہ کو کس طرح دیکھ سکتا اور برداشت کرسکتا ہوں۔ کیا میں یہ دیکھوں کہ میرا اکلوتا
بیٹا خود میرے ہاتھ خود میری گولی کا نشانہ ہوکر خود میرے ہاتھ میں خاک و خون میں لتھڑا ہوا
پڑا ہو کیا اس نظارہ کے بعد میں زندہ رہ سکتا ہوں کیا ایسا ممکن ہے کیا یہ سب میرے گھر کے
سامنے ہو جہاں پرورش پاکر تو جوان ہوا جہاں تو بچپن میں کھیلا کودا تیری ماں کے سامنے یہ واقعہ
پیش آئے اور اس قبیلہ میں ہو چکا ہے ہر جوان تجھے دوست سمجھتا اور بوڑھا تجھے محبوب وغیرہ جانتا
ہے۔ تو مصائب میں ان کا شریک تھا ان کو تکالیف سے رہائی دلاتا رہا ہے اور اب بھی وہ
تجھ سے ایسی ہی امید رکھتے ہیں۔ مگر افسوس یہ سب کچھ ایسی جگہ ہوتا نظر آتا ہے جس کی خواب
میں بھی امید نہ تھی۔

بیشک یہ سب کچھ ہوگا اور ہو کر رہے گا قبیلہ ظفیر کی شرافت اپنے قیام کے لئے تیری قربانی طلب کرتی ہے اور یہ قربانی ضرور دی جائے گی اور ہمارے لوگ اس واقعہ پر قیامت تک فخر کریں گے۔ میرے بیٹے تجھے قصاص میں قتل ہونا پڑے گا پھر چاہے تیرا بوڑھا باپ اس جانکاہ صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اور تیرے بعد وہ بھی مرجائے۔ ہم اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ ہم پر لعن کریں اور عرب میں ہم ظالم و جابر مشہور ہو کر رہیں ہمارے اسلاف نے جو فخر و شرافت قبائل میں حاصل کی ہے وہ ہم ضائع کر دیں ہم سے یہ ممکن نہیں ہم اپنا شرف اپنی عظمت ضرور قائم رکھیں گے۔ عرب ہمیشہ ہم پر فخر کرے گا۔ اور دوسری شریف قومیں تقلید کی آرزومند ہوں گی۔

اس تقریر کے بعد شیخ حمود نے جعلان سے کہا کہ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ تاکہ اس تھوڑی مدت میں جو باقی رہ گئی ہے، دل بھر کے تم کو دیکھ لوں اس کے بعد شیخ نے لڑکے کو ہدایت کی کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر تو خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنے جرائم کا اعتراف کر کے مغفرت طلب کر تیرا خون صحرائے عرب میں بے کار اور رائیگاں نہیں جائیگا۔ تو نے بدوی قانون کی اتباع کی ہے صحرائے ظلم و جور خوں ریزی کو تیرا خون ایک ظلم کو بند کر کے حقیقی عدل و مساوات کا ثبوت دنیا میں پیش کرے گا میرے پیارے بیٹے اب وقت ہے کہ تو خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں اپنے لئے مغفرت کا طالب ہو یہ وقت قبول دعا کا ہے تیری دعا قبول ہوگی۔

کعبہ کی طرف منہ کر کے اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی کی خواہش کر صرف توبہ ہی خدا کے غصہ کو ٹھنڈا کرتی ہے اور اس کی رحمت بندے پر مبذول کراتی ہے انسان اپنے زمانہ میں بہت سے جرائم حسد۔ غصہ۔ کینہ کی وجہ سے کرتا ہے موت کے وقت اس کو چاہیئے کہ اپنے رب کے سامنے پشیمان ہو۔ اور مغفرت طلب کرے خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے اپنی شان

رحمت سے مغفرت فرمائے گا۔ اپنے بعد اپنی ماں کے لئے دعا کر اس نے تجھ پر بہت احسان کئے ہیں۔ تو نے اس کے گوشت پوست دودھ سے زندگی حاصل کی ہے تیرے زمانہ طفولیت میں اس نے محض تیری خاطر کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور تجھے راحت پہنچائی اس کی گود میں تو بڑھا اور جوان ہوا۔ اس کے لئے بھی دعا کر کہ خدا تعالیٰ اس کو سعادت دارین نصیب کرے۔ اللہ تعالےٰ تیری دعا ضرور قبول فرمائے گا۔

خدا سے دعا کر۔ جا جب تہجد کا وقت ہو تہجد پڑھ اور بعد تہجد نماز میں اپنے قبیلہ اور تمام عرب کے لئے دعا کر کہ اللہ تو ہم سب کو راہ مستقیم پر چلا اور شیطان سے حفاظت رکھ اور سب کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ بھی کہنا کہ شریف حسین بن علی کو جو اس زمانہ میں مکہ میں شریف تھا ہمارے قبیلہ پر مہربان کر۔ تمام عرب میں جو نا اتفاقی ہے جس نے ان کو ذلیل کر رکھا ہے انھیں نعمت اتحاد اور اتفاق سے معزز فرما۔

جعلان باپ کے حکم کی تعمیل میں نماز و استغفار میں ہمہ تن غرق ہو گیا حسب ہدایت اپنے والد کے اس نے اپنے اور اپنے قبیلہ بلکہ تمام اہل عرب کے واسطے دعا کی یہاں تک صبح صادق نمودار ہوئی۔ لوگوں نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد بندوق کی ایک آواز سنی۔ گولی جعلان کا سینہ چیرتی ہوئی اس کے قلب میں پیوست ہو گئی وہ خاک و خون میں لوٹ رہا تھا۔ شیخ حمود بندوق رکھ کر اپنے مرنے والے بیٹے سے لپٹ گیا تھا۔ آج شیخ اپنی زرتار بدویانہ پوشاک زیب تن کر کے نکلا تھا جو عید وغیرہ ایسے ہی مواقع پر استعمال کی جاتی تھی۔

شیخ حمود نے احقاق حق کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کو عدل و انصاف کی خاطر عرب و قبیلہ ظفیر کی شرافت و سیادت پر قربان کر دیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ قتل ہی قتل کو روکا کرتا ہے۔

چین اور دول مغربی

ماخوذ از برٹرینڈ رسل

چین کی بین الاقوامی پوزیشن سمجھنے کے لئے، اس ملک کی انیسویں صدی کی تاریخ کے بعض واقعات کا بیان ضروری ہے، چین مدت تک مشرق بعیدہ کی عظیم الشان سلطنت رہا ہے جس کی حدود ایک وسیع و عریض اور زرخیز و زر ریز رقبہ پر محیط تھیں اور ایک محنت شعار اور شائستہ قوم سے آباد تھیں۔ سنہ عیسوی کے آغاز سے پہلے، جاگیر دارانہ نظام حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور عنان حکومت ان عمال و حکام کے ہاتھوں میں تھی۔ جن کا انتخاب اپنی تحریری قابلیت و مہارت کی بناء پر ہوتا تھا۔ مغرب کے ساتھ چین کا تعلق تھا، سن مسیحی کی ابتدائی صدیوں میں ہندوستان سے بدھ مذہب کی کم "درآمد" ہوئی اور بعض چینی علماء بہزار وقت اس ملک تک پہنچے تاکہ نئے نازل شدہ مذہب کی شریعت پر اس کے وطن میں جاکر عبور حاصل کریں۔ لیکن بعد کے ایام میں ان وحشی اقوام نے جو ہر دو ممالک کے مابین حائل تھیں اس مذہبی سیاحت و زیارت کو عملاً ناممکن بنا دیا۔ ساتویں صدی میں مسیحیت چین میں پہونچی اور وہاں ایک اچھا اثر قائم کر لیا مگر جلد ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی ابتداء میں، رومن کیتھولک مذہب نے دربار چین میں معتد بہ رسوخ حاصل کیا یہ رسوخ ان کو اس طرح حاصل ہوا کہ وہ مغرب کا علم ہیئت اپنے ساتھ لے گئے تھے اور انھوں نے چینی تقویم بہت سی بے قاعدگیوں اور پیچیدگیوں کی اصلاح میں قابل قدر مدد بہم پہونچائی تھی[1]۔

---

[1] سنہ ۱۶۹۱ء میں شہنشاہ کانگ ہسی نے ایک فرمان جاری کیا جسمیں مختلف مذاہب کے متعلق اپنی روش کی تصریح

ان کے کرے اور اضطرلاب آج تک پیکن کی شہر پناہ دیواروں پر موجود ہیں لیکن وہ عرصہ دراز تک مختلف طبقوں کے باہمی فسادات کا مقابلہ نہ کر سکے اور اس لئے چین اور جاپان سے تقریبًا ان کا ایک ایک آدمی نکال دیا گیا۔

۱۷۹۳ء میں ایک برطانوی سفیر لارڈ میکارٹنے۔ چین میں وارد ہوا تاکہ تجارت کے لئے مزید آسانیاں حاصل کرے اور اس نے چین میں ایک برطانوی سفارتخانہ کی درخواست کر دی اس وقت چین کا شہنشاہ چین لنگ تھا جو خاندان مانچو کا گل سرسبد تھا۔ یہ ایک شائستہ آدمی تھا علوم و فنون کا سرپرست جادو رقم خوشنویس۔ اس کی خوشنویسی کے نمونے چین میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں اس نے شاہ جارج ثالث شاہ انگلستان کو جو جواب لکھا ہے اس کو بیک ہاؤس اور بلینڈ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے[۵]۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کو یہاں پورا نقل کرتا مگر بعض اقتباسات کافی ہوں گے یہ جواب یوں شروع ہوتا ہے :۔

" اے شہنشاہ عالیجناب جب سمندر کی طرح ناپیدا کنار ہے آپ نے ہماری تہذیب کے فیوض سے بہرہ یاب ہونے کی عاجزانہ درخواست کی ہے اور ایک سفارت بھیجی ہے جو آپکے پیام کے حامل ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ اپنی عقیدت و ارادت کے اظہار میں آپ نے اپنی وطنی پیداوار کے تحفہ و تحائف بھی ارسال کئے ہیں۔ میں نے آپ کا پیام پڑھا۔ وہ مخلصانہ الفاظ جس میں اسکی ترتیب کی گئی تھی۔ آپ کی طرف سے مودبانہ انکسار کے جذبے کو بے نقاب کرتے ہیں اور یہ بات بہت قابل تعریف ہے "

کی تھی۔ رومن کیتھولک مذہب کی بابت وہ کہتا ہے۔ مغربی عقیدے کے بارے میں جو ٹیں چو "یعنی خداوند آسمانی" کی تقدیس کرتا ہے وہ بھی خارجی و بدعتی ہے لیکن چونکہ اس کے معتقد ریاضت سے خوب آشنا ہیں حکومت ان سے کام لیتی ہے : اور یہ ایک ایسی خاص بات ہے جس کو تمہیں اے میرے سپاہیو اور اے میری رعایا پیش نظر رکھنا چاہیئے :" بحوالہ کتاب گائلز صفحہ ۱۲۵ ، ۱۵۳۔

[۵] یادداشتہائے دربار پیکن صفحہ ۳۲۲۔

پھر وہ آگے تشریح کرتا ہے کہ کن وجوہ سے شاہ جارج کی معروضات کو شرف قبول بخشنا ممکن نہیں ہے سفیر کے تقرر کی بابت وہ کہتا ہے کہ یہ بے کار ہوگا کیونکہ:۔

"اگر آپ یہ کہیں کہ آپ کو ہمارے "خانوادہ بہشتی" سے جو عقیدت ہے اس نے آپ کے دل میں یہ آرزو پیدا کی ہے، کہ آپ ہمارے آئین تہذیب کو حاصل کریں تو ہمارے آپ کے رسم و رواج اور مجموعہائے آئین و قوانین اس درجہ باہم متباین ہیں کہ بفرض محال آپ کا وکیل ہماری تہذیب کے مبادیات کے اکتساب کے قابل ہو بھی جائے تو آپ کے لئے یہ بات ناممکن ہوگی کہ اپنی اس غیر سرزمین میں ہمارے آداب و رسوم کا شجر نصب کر سکیں۔ اس لئے ہمارا کہنا ہے کہ گو کتنا ہی صاحب استعداد اور کامل و فاضل سفیر آئے اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا:

میں جو اس وسیع دنیا پر اقتدار رکھتا ہوں، ایک ہی مقصد اپنے پیش نظر رکھتا ہوں کامل ضبط و تسلط قائم رکھنا اور فرائض سلطنت کو ادا کرنا انوکھے اور نئے تماشوں سے میں کوئی ذوق نہیں رکھتا میرے...... یہاں آپ کے ملک کی مصنوعات کا کوئی مصرف نہیں ہے........ آپ کے لئے زیبا ہے اے بادشاہ! کہ میری خدمات کو ملحوظ خاطر رکھیں اور آئندہ سے زیادہ عقیدہ اور وفاداری کا اظہار کیا کریں تاکہ ہمارے تخت شاہی کے سامنے دائمی عجز و انکسار کے ذریعہ، آپ مستقبل میں اپنے ملک کے لئے امن و امان اور آسودگی و مرفہ حالی حاصل کر سکیں۔"

وہ انگریزوں کی اس خواہش کو بھانپ گیا ہے، کہ وہ چین کی پیداوار کے خواہاں ہیں لیکن وہ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ انگلستان کے پاس اس کا عوض دینے کو کچھ نہیں ہے

"ہماری بہشتی سلطنت میں ہر شے کی فراوانی ہے، اور وہ اپنے حدود کے اندر کسی جنس کی محتاج نہیں ہے، لہذا کوئی ضرورت نہ تھی کہ بیرونی وحشیوں کی مصنوعات کی درآمد کی جاتی اور اپنے ملک کی پیداوار ان کے نذر کی جاتی لیکن اگر چائے ریشم، اور ظروف چینی جو بہشتی سلطنت پیدا کرتی ہے، یورپین قوموں کے اور آپ کے لئے ناگزیر ضروریات ہوں تو وہ محدود تجارت جس کی کنٹین میں ابھی تک اجازت دی گئی ہے آئندہ بھی جاری رہ سکتی ہے

وہ لارڈ میکارٹن کے ساتھ اور بھی بے اعتنائی سے پیش آتا مگر میں اس امر کو فراموش نہیں کر سکتا کہ آپ کا دور دراز جزیرہ کس بیکسی کے عالم میں اتنے فاصلہ پر پڑا ہوا ہے۔ جو سمندر کی آبلو کے حائل ہو جانے کی وجہ سے اس دنیا سے منقطع ہو گیا ہے۔ بہشتی سلطنت کی راہ و رسم کے متعلق آپ جس قابل عفو جہالت میں مبتلا ہیں وہ نظر انداز کئے جانے کے قابل ہے!" آخر وہ اس حکم ناطق پر اپنے پیام کو ختم کرتا ہے۔" لرزاں و ترساں ہو کر سر اطاعت خم کر دو اور کسی فرو گذاشت یا خطا کا ارتکاب نہ کرو!"

جس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ چین کی حالت اس وقت کیا ہو گی جب یہ تحریر سمجھے کے قابل نہ تھی۔ اہل روما کو بھی ساری دنیا پر حکمراں ہونے کا دعویٰ تھا اور جو کچھ ان کی حدود سلطنت سے باہر تھا وہ ان کے نزدیک کوئی وقعت نہ رکھتا تھا۔ شہنشاہ چین لنگ کی سلطنت تو ان سے زیادہ وسیع تھی اور غالباً آبادی بھی زیادہ تھی۔ رومیوں ہی کی ہمعصر کے طور پر اس کو بھی ترقی حاصل ہوئی وہ کبھی ادبار میں مبتلا نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ اپنے تمام دشمنوں کو شکست دیتا رہا۔ یہ فتح کبھی میدان جنگ میں ہوتی تھی اور کبھی اس طرح کہ دشمنوں کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ اس کے ہمسایہ ممالک تقابلیۃً وحشی تھے۔ صرف جاپان ہی سے اس سے مستثنیٰ تھا جس نے بالکل غلامانہ تقلید کر کے چین کی تہذیب کو اختیار کر لیا تھا۔ شہنشاہ چین لنگ کا زاویہ نگاہ سکندر اعظم سے زیادہ مہمل نہ تھا جو نئی دنیا کی تسخیر کی آرزو میں سرد آہیں بھرا کرتا تھا۔ درحالانکہ وہ چین کے نام سے بھی آشنا نہ ہوا تھا۔ وہ چین جس میں کنفیوشس کے انتقال کو ڈیڑھ سو برس ہی گذرے تھے کہ تجارت کے بارے میں بھی لنگ کو مغالطہ نہ تھا۔ چین بیشک ہر اس شے کو پیدا کرتا ہے جس کی اس کے باشندوں کو ضرورت ہے اور یورپ نے صرف اپنے مقاصد کے لیے اس پر یہ خارجی تجارت خواہ وہ عائد کر دی ہے۔

بدقسمتی سے چین کی تہذیب صرف ایک معاملہ میں ناقص تھی یعنی سائنس میں فنون لطیفہ، ادبیات اور رسم و رواج میں وہ کم از کم یورپ کے ہمپایہ ضرور تھا: نشاۃ ثانیہ" کے

وقت یورپ کسی طرح بھی بہشتی سلطنت کے مقابلے میں دعوی فضیلت نہ کرسکتا تھا پیکن میں ایک عجائب خانہ ہے، جہاں اعلیٰ درجہ کی چینی صنعت کے نمونوں کے پہلو بہ پہلو وہ تحائف رکھے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں. جو لوی چہاردہم نے شہنشاہ چین کی خدمت میں اس غرض سے پیش کئے تھے کہ اس کو "شہنشاہ مطلق" کی شان و شوکت سے مرعوب کرے. اگر برطانیہ نے شیکسپیر و ملٹن کو پیدا کیا ہے اور لاک اور ہیوم کو، اور ان تمام مشاہیر کو جنھوں نے ادب اور آرٹ کو زینت دی، تو یہ واقعہ ہم کو اہل چین پر ادعائے برتری کرنے کا اہل نہیں بناتا جن لوگوں کی بدولت ہم کو چینیوں پر فوقیت حاصل ہے وہ نیوٹن اور رابرٹ بائل ہیں. ہم کو افضل و برتر اس طرح بناتے ہیں کہ انھوں نے فن ہلاکت میں ہم کو زیادہ ماہر بنادیا ہے ن کے جانشین انگریز کے لئے یہ زیادہ آسان ہے کہ ایک چینی کو قتل کرے بہ نسبت اس کے کہ چینی ایک انگریز کو ہلاک کرے. بس اس بنا پر ہماری تہذیب اہل چین کی تہذیب پر فوقیت رکھتی ہے اور اسی معنی میں شہنشاہ چین لنگ کا مذکورہ بالا بیان بے معنی ہے.

چین کے ساتھ ہماری پہلی لڑائی ۱۸۴۰ء میں ہوئی مقصد جنگ صرف یہ تھا کہ چینی حکومت افیون کی درآمد کے خلاف کوشاں تھی. اس آویزش کا خاتمہ ہانگ کانگ کی حوالگی پر ہوا، اور برطانوی تجارت کے لئے پانچ بندرگاہ کھول دئے گئے. یہاں اس کے تھوڑے دن بعد ہی فرانس، امریکہ، ناروے اور سوئیڈن کی تجارت کا بھی دروازہ کھل گیا ۱۸۵۶-۶۰ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں نے مل کر چین پر فوج کشی کی. اور پیکن کا سرمائی قصر مسمار کردیا. صناعی کے نقطہ نظر سے اس عمارت کا درجہ شہر وینس کے سینٹ مارکس کے گرجا کے لگ بھگ تھا اور ریمس کے گرجا سے بدرجہا بہتر. اس کارنامے کو دیکھ کر اہل چین بہت کچھ ہماری تہذیب کی برتری و غلبہ کے قائل ہوگئے. چنانچہ اس اعتراف فضیلت و شکست میں انھوں نے سات مزید بندرگاہ مع دریائے یانگسی کے جاری

تجارت کے لئے کھول دئے، تاوان جنگ ادا کیا، اور ہانگ کانگ میں کچھ اور زمین نذر کی
۱۸۷۵ء میں چینیوں نے اپنی کوتاہ اندیشی سے ایک برطانوی رکن سفارت کو قتل کر دیا۔
چنانچہ بقیہ برطانوی سفارت نے مقتول کا خون بہا طلب کیا اور اس کو لے کر چھوڑا۔
پانچ اور بندرگاہ حاصل کئے اور افیون کی درآمد پر محصول بحری کا تعین کر دیا۔ اس کے بعد
فرانسیسیوں نے انام اور انگریزوں نے برما لے لیا۔ یہ دونوں ممالک اس وقت سلطنت
چین کی سیادت میں تھے، بعد ازاں ۹۵-۱۸۹۴ء میں چین وجاپان میں لڑائی ہوئی جس میں
جاپان کو کامل فتح نصیب ہوئی، اور اس نے کوریا کا الحاق کر لیا جاپان کی فتوحات
اس سے بھی زیادہ ہوتیں، مگر فرانس، اور جرمنی، اور روس نے مداخلت کی۔ البتہ انگلستان
الگ رہا، ہماری یہ غیر جانبداری ہماری جاپان کی پشت پناہی کی تمہید تھی، اور ہماری
اس حکمت عملی میں اس کے خوف کی روح کارفرما تھی، ان معاملات کے سلسلہ میں چین
اور روس کے درمیان بھی ایک اتحاد ہوا۔ جس کے معاوضہ میں آخر الذکر نے منچوریا میں تمام
اہم مراعات حاصل کرلیں۔ منچوریا۔ رفتہ رفتہ جاپان کے زیرنگین ہوگیا۔ اور یہ انتقال حکومت
کچھ جنگ روس وجاپان کے بعد اور کچھ بالشوک انقلاب کے بعد وقوع میں آیا۔

اس کے بعد دو جرمن مشنریوں کے قتل کا واقعہ بمقام سانتنگ ۱۸۹۷ء میں ظہور
میں آیا۔ مشنریوں کی یہ موت ان کی زندگی سے بھی زیادہ بارآور ثابت ہوئی، کیونکہ
اگر وہ زندہ رہتے تو غالباً بہت تھوڑے سے لوگوں کو حلقہ بگوش عیسائیت کر پاتے، لیکن
اپنی شہادت سے انھوں نے ساری دنیا کے سامنے مسیحی اخلاق کا ایک زندہ سبق
پیش کیا۔ غرض جرمنوں نے خلیج کیاوچاؤ پر قبضہ کیا اور وہاں ایک بحری مستقر قائم
کر لیا۔ انھوں نے شانتنگ میں تعمیر ریلوے اور کان کنی کے حقوق و اجارے بھی حاصل
کر لئے، جو بعد میں عہد نامہ ورسائی کی رو سے، اور پریزیڈنٹ ولسن کے چودہ مطالبات
کے ماتحت جرمنی سے جاپان کو منتقل ہو گئے۔ پس شانتنگ اس طرح عملاً ایک جاپانی

مقبوضہ بن گیا۔ واشنگٹن کانفرنس میں امریکہ نے اس امر پر زور دیا کہ وہ پھر چین کو واپس کر دیا جائے۔ ان دو جرمن شہیدوں کی موت کا فیض چین ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ جرمن ریشتاگ (پارلیمنٹ) میں ان کی شہادت کو بار بار آلہ کار بنایا گیا۔ یہ اس وقت جب کہ عظیم الشان جرمن بحری بیڑے کی تعمیر کے متعلق مسودات پارلیمنٹ میں زیر بحث تھے۔ کیونکہ یہ خیال کیا گیا کہ یہ جنگی جہاز لوگوں کو چین میں جرمنی کے احترام پر مجبور کریں گے۔ لیکن انھوں نے انگلستان اور جرمنی کے مابین کشیدہ تعلقات کی موجوں کو متحرک کیا، اور جنگ عظیم کے اس قدر جلد واقع ہونے کا باعث بنے۔ وہ باکسروں کی بغاوت کے بھی محرک ہوئے جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جرمنوں کے قبضہ تسنگ تاؤ کے خلاف احتجاج کے طور پر ایک تحریک کی شکل میں شروع ہوئی تھی، اگرچہ دوسرے دول نے بھی جرمنوں کے ہر معاملے میں ریس کی تھی، چنانچہ روسیوں نے پورٹ آرتھر میں ایک بحری مرکز کی بنیاد ڈال دی تھی، اور انگریزوں نے وے ہائی وے پر دخل کر لیا تھا اور ولایت ہانگ کانگ کے علاقے میں ایک حلقہ اثر قائم کر لیا تھا۔ اسی طرح دوسری طاقتوں نے کیا تھا۔ اہل امریکہ کنارہ کش رہے اور انھوں نے چین کی سلامتی اور چین کے اندر کھلے دروازے پالیسی کا اعلان کیا۔

باکسر بغاوت منجملہ ان معدودے چند واقعات چین کے ہے جن سے سارے یورپ والے واقف ہیں۔ جب ہم پکین کی لوٹ سے اپنی تہذیب کی بالادستی کا مظاہرہ کر چکے تو ہم نے تاوان جنگ میں ایک زر خطیر بالجبر حاصل کیا، اور پکین کے حلقہ سفارت کو ایک قلعہ بند شہر کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ آج کے دن تک وہ ایک شہر پناہ سے محصور ہے، یورپی امریکی اور جاپانی فوجوں سے معمور رہتی ہے۔ اس کے گرداگرد خالی اراضی ہے جس پر چینی کوئی عمارت بنانے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہاں کا نظم و نسق ایک سفارتی جماعت کے ہاتھ میں ہے اور اس کے پھاٹکوں کے اندر چینی حکام کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ جب چین میں کسی رشوت خوار و غدار حکومت کا تختہ لوٹتا ہے، تو اس کے ارکان جاپانی ایلچی اور

سفارتخانے میں پناہ لیتے ہیں اور اس طرح اپنے جرائم کی پاداش سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح اس سفارت کے مقدس حرم کی حدود کے اندر امریکی ایک عظیم الشان لاسلکی مرکز بناتے ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے ساتھ براہ راست نامہ و پیام کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔

بغاوت باکسر کے سلسلے میں جو جرمانہ وصول کیا گیا۔ اس سے کم از کم ایک پسندیدہ بات ظہور میں آئی۔ امریکیوں نے دیکھا کہ تمام حقیقی اور جائز نقصانات کی تلافی کے بعد ایک بڑی رقم بچ رہی۔ اس رقم کو انھوں نے چین کو واپس کر دیا تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم پر خرچ ہو۔ ایسی رقم کا ایک جزو چین ہی کے اندر کے کالجوں کے مصرف میں آیا اور بقیہ کے ذریعے سے ان چینی طلباء کی کفالت کی گئی جو امریکی یونیورسٹیوں کو بغرض تعلیم بھیجے گئے، مگر اس احسان کا بدلہ امریکہ کو خوب مل گیا۔ امریکہ کو جو فائدہ اہل چین اور خاص کر تعلیم یافتہ چینیوں کی دوستی کی صورت میں حاصل ہوا ہے۔ اس کا حساب لگانا ناممکن ہے۔ اس طرز عمل کا فائدہ اظہر من الشمس ہے مگر انگلستان کا اس کے نقش قدم پر چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

ان مشکلات کو سمجھنے کے لئے جن سے چینی حکومت دوچار ہے یہ اس نقصان کا اندازہ کرنا ضروری ہے جو چین کو مالیاتی آزادی عمل کے چھن جانے کی وجہ سے اور ان جنگوں اور معاہدوں کی وجہ سے جو اس کے سر عائد کئے گئے برداشت کرنا پڑا ہے۔ شروع شروع میں اہل چین کو یورپ کی حکمت عملی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اور وہ بیچارے نہ جانتے تھے کہ کن کن چیزوں سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔ بعد میں جب سمجھ آئی تو وہ اس قدر کمزور تھے کہ ان کو ان معاہدات کے ساتھ "کاغذ کے پرزوں" کا سا سلوک کرنے کا موقع نہ دیا گیا کیونکہ ماشاءاللہ یہ تو "دول عظمیٰ" کے خداوندی حقوق ہیں، جن کو ان میں سے ہر ایک جب چاہے استعمال کر سکتا ہے۔

اس صورت حالات کی بہترین مثال چین کے محصولات بحری[۵] کا معاملہ ہے۔ چین کی

(حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

ساتھ ہماری پہلی جنگ کے خاتمے پر جو ۱۸۴۲ء میں ہوا ہمنے ایک معاہدہ کیا جس میں یہ شرط تھی کہ "تمام متعاہد بندرگاہوں میں" جملہ اشیاء درآمد پر ۵ فی صدی محصول درآمد لیا جائے گا۔ اور اشیاء برآمد پر ۵ فی صدی سے زیادہ محصول برآمد نہ لیا جائے گا۔ یہ معاہدہ چین کے تمام محصولات بحری کے سررشتہ کا بنیاد و اساس ہے۔ ۱۸۵۸ء میں ہماری دوسری جنگ کے بعد ہمنے مروجہ قیمتوں کا ایک ایک گوشوارہ ترتیب دیا جس پر وہ فیصدی محصول محسوب ہونے والا تھا۔ اس گوشوارہ کی ہر دس سال کے بعد نظرثانی ہونا قرار پائی تھی، لیکن از روئے واقعہ اب تک صرف دو دفعہ اس کی ترمیم ہوئی ہے، ایک دفعہ ۱۹۰۲ء اور ایک دفعہ ۱۹۱۸ء میں گوشوارے کی نظرثانی سے مراد ہے محض مروجہ قیمتوں کی ترمیم، ورنہ محصولات بحری میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جاتا ہے جو ۵ فیصدی کی اٹل شرح پر قائم کر دیا گیا ہے۔ محصولات بحری میں کوئی تبدیلی عملاً ناممکن بھی ہے۔ کیونکہ چین نے اس قسم کے تجارتی معاہدات کئے ہیں جن میں ایک نہ ایک قوم "منظور نظر" فریق کی حیثیت رکھتی ہے باقی بارہ سلطنتوں کے لئے باستثنائے برطانیہ عظمیٰ کے وہی شرح محصول رکھی گئی ہے، اور اس لئے اگر محصولات کے نظام میں کوئی تبدیلی کی جائے تو تیرہوں ریاستوں کے "اجماع" کی ضرورت ہے۔

جب چین کے معاملے میں دول خارجہ کھلے دروازے کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس پالیسی کو چین کے حق میں اکسیر اعظم بتاتے ہیں تو یاد رہے کہ کھلا دروازہ چینیوں کے لئے اس معمولی داخلی آزادی کا بھی کوئی دروازہ نہیں کھولتا جس سے تمام آزاد حکومتیں متمتع ہوتی ہیں[۱] ۱۸۴۲ء

---

[۱] اس مسئلہ پر قابل قدر بحث باب ہفتم کتاب موسومہ بہ "چین" مولفہ شہہ کنگ چینگ مطبوعہ کلیرنڈن پریس ۱۹۱۹ء میں پائی جاتی ہے [۲] واشنگٹن کانفرنس میں ایک نئی نظرثانی کا فیصلہ کیا ہے [۳] اگر آپ شہر میں ہوتے جہاں کے ایوان بلدیہ پر شہر کے نقب زنوں نے تصرف کر لیا تھا تو یہ بالکل قرین قیاس بات تھی کہ وہ اس کھلی پالیسی پر اصرار کرتے لیکن آپ کے لئے وہ تمام و کمال موجب تسلی ہوتے؟ یہ ہی وہ ناخن تدبیر جس سے دول عظمیٰ چین کے عقدہ کو کھولنا چاہتی ہیں

کے معاہدے میں جس پر اس نظام کی بنیاد ہے نہ کوئی وقتی میعاد ہے اور نہ کوئی ایسی شرط ہے جس کے ماتحت کوئی فریق اس پر کسی قسم کی رد و قدح کر سکے، حالانکہ دوسرے تجارتی معاہدات میں اس طرح کا التزام ہوتا ہے یہ ادنیٰ شرح محصول دول کے مفید مطلب ہے۔ جو چین میں اپنی مصنوعات کے لئے ایک بازار چاہتے ہیں اور اس لئے وہ اس میں کسی قسم کی ترمیم و اضافہ کو کیوں پسند کرنے لگے؟ گذشتہ زمانے میں جب کہ ہم آزاد تجارت کے اصول پر عامل تھے۔ تو ہم بہنی تائید میں یہ کہ سکتے تھے کہ جو پالیسی ہم نے چین پر عائد کی ہے وہ وہی پالیسی ہے۔ جس کو خود ہم نے اپنے لئے پسند کیا ہے لیکن کوئی قوم اب یہ عذر نہیں کر سکتی، اور اس طرح ہمارے لئے اب یہ ایک عذر لنگ ہو گیا ہے، کیونکہ ہم نے "حریت تجارت" کے مسلک کو اپنے "قانون تحفظ مصنوعات" کے ذریعہ سے ترک کر دیا ہے۔

محصول درآمد چونکہ بہت خفیف ہے۔ اس لئے چینی حکومت اپنے خزانہ عامرہ کی آمدنی کی لئے مجبور ہے کہ جملہ اشیاء برآمد پر ۵ فی صدی کا انتہائی محصول عائد کر دے۔ یہ بلا شبہ چینی تجارت بحری کی رفتار میں سد راہ ہے۔ اور غالباً ایک غلط قدم ہے۔ لیکن مداخل سلطنت کے وسائل کی حالت بہت مایوسانہ ہو رہی ہے، اور اس لئے یہ کوئی خلاف توقع اور عجیب بات نہیں کہ چینی حکام ٹیکس ہی کو ایک ناگزیر چارہ کار سمجھیں۔

چین میں ایک اور دستور بھی ہے۔ جو خاص کر بغاوت ٹاہینگ کے زمانہ کا ورثہ ہے وہ یہ کہ مختلف اہم مرکزوں میں داخلی محصولات کے ناکے قائم کئے گئے ہیں۔ داخلی تجارت کے معاملے میں اس اصول پر اب بھی عمل کیا جاتا ہے، لیکن جو تاجر اندرون ملک کی تجارت کا کاروبار کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا سامان تجارت بھیجتے ہیں۔ جس کی منزل مقصود یا مرکز روانگی کوئی "متعاہد بندر گاہ" ہوتا ہے۔ وہ یہی مقصد خارجی محصولات بحری کا نصف حصہ ادا کرکے حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ چونکہ اندرونی شرح محصول سے عموماً کم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ طریقہ خارجی اجناس تجارت کے حق میں مفید ہے۔ درآں حالیکہ اس سے چین کے مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے

بلاشبہ داخلی محصولات کا یہ طریقہ برا ہے، لیکن وہ مروج ہو گیا ہے اور اس کی تائید میں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی صیغہ سے سرکاری آمدنی کا حاصل کرنا ناگزیر ہے چین نے ایک وقت یہ کرنا چاہا تھا کہ اندرونی محصولات کو منسوخ کر دے اور اس کی بجائے بحری محصولات در آمد و برآمد میں بعض یکساں قسم کے اضافے کر دے اور برطانیہ، جاپان، اور ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اس کے لئے منظوری بھی دی تھی، لیکن دس اور طاقتیں بھی تھیں جن کی رضامندی ضروری تھی اور سب سلطنتیں اتفاق رائے پر آمادہ نہ کی جا سکیں پس وہ پرانا طریقہ ہی اب تک چلا جاتا ہے اور اس میں خاص طور پر مرکزی حکومت ہی کا قصور نہیں ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ ان اندرونی محاصل کی تحصیل وصول صوبجاتی حکام کرتے ہیں، جو عموماً انھیں راستہ ہی میں غت ربود کر لیا کرتے ہیں، اور ان کو اپنی ذاتی فوجیں رکھتے ہیں اور خانہ جنگیوں کے کام میں لاتے ہیں موجودہ حالت میں حکومت مرکزیا اتنی قوی نہیں ہے کہ ان بدعات کا انسداد کر سکے۔

محصولات کے صیغہ کا نظم ونسق برائے نام ہی چینیوں کے ہاتھ میں ہے۔ شرائط معاہدہ کی رو سے، انسپکٹر جنرل (ناظر عمومی) جو محکمہ کا افسر اعلیٰ ہے، اس وقت تک کوئی برطانوی شخص ہی رہے گا جب تک کہ چین کے ساتھ ہماری تجارت کسی اور متعاہد سلطنت کی تجارت سے بڑھی رہے، اور صیغوں کے ماتحت ملازمین اور اہلکاروں کا عزل و نصب بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۹۱۸ء میں (یعنی وہ آخری سال جس کے متعلق اعداد و شمار میرے پاس ہیں) ۷۵۰۰ آدمی محکمہ محصولات سے وابستہ تھے منجملہ ان کے دو ہزار غیر چینی تھے۔ پہلا انسپکٹر جنرل سر رابرٹ ہارٹ تھا جس نے اپنے فرائض بوجہ احسن انجام دئے اور ساری پارٹیاں بیک زبان اس کی حسن خدمت کی معترف ہیں، بالفعل مروجہ طریقے کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے اہل چین کے ہاتھ میں انسپکٹر جنرل کا تقرر ہے۔ پس وہ کسی ایسے آدمی کو منتخب کر سکتے ہیں جو ان کے ملک کا ہمدرد ہو۔ چینی اہلکار بالعموم رشوت خوار اور کاہل ہوتے ہیں اس لئے

اگر جدید طرز کا نظام دفتری قائم کرتا ہے تو بیرونی حکام کی نگرانی لازمی ہے ۔ چین کو یہ مشکل مسئلہ در پیش ہے کہ چینی سفید اقوام کی اتالیقی میں عملی اور ذہنی تربیت حاصل کریں لیکن ان کے غلام نہ ہو جائیں اس مشکل سے عہدہ برا ہونے کے لئے محکمہ محصولات میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، وہ کم از کم ابتدائی منازل میں مفید اور مصلحت پر مبنی ہے[۱]

مگر ساتھ ہی صیغہ محصولات کی موجودہ صورت میں چینی آزادی کو مجروح کرنے کے بہت سے سامان موجود ہیں اس بیان میں اس حقیقت سے قطعًا قطع نظر کر لی گئی ہے کہ معاہدے کے ماتحت تقرر محصولات کا بندوبست استمراری کر دیا گیا ہے، محصولات کی آمد کا معتدبہ حصہ مختلف قسم کے قرضوں اور جنگی تاوانوں میں مکفول ہے ۔ اس لئے چینی محصولات پر صرف چینی حقوق و مفاد ہی کے نقطۂ نظر سے غور نہیں کیا جا سکتا ہے ۔

نمک کے محصول کے معاملے میں اس قسم کی صورت حال در پیش ہے ۔ نمک کے ٹیکس کی بابت بھی یہ بات تسلیم کی گئی تھی کہ یہ بھی مختلف قسم کے ممالک غیر کے قرضوں کی ضمانت و کفالت

---

[۱] ٹائمز نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۶ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء میں ایک مقالہ افتتاحیہ سپرد قلم کیا تھا جسکا موضوع بحث واشنگٹن میں مسٹر ولنگٹن کو کی پیش کردہ تجویز تھی ۔ اس تجویز کا منشا یہ تھا کہ چین کو محصولات کے معاملہ میں ملی آزادی ملنی چاہیے ۔ مسٹر کو نے صیغہ محصولات کے نظم و نسق سے بحث نہ کی تھی، تاہم ٹائمز کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ مسٹر کو کا یہ مقصد ہے کہ محکمہ نظم و انتظام کو چینیوں کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ ان کو منفعت بخش رشوت ستانیوں کے مواقع حاصل ہوں جنکا دروازہ یہ انتقال اختیارات کھول دیگا ۔ میں نے ٹائمز کو لکھا اور اسکو اس بات پر توجہ دلائی کہ اس نے تقرر محصولات کو محکمہ محصولات کے نظم و نسق سے مخلوط کر دیا ہے ۔ حالانکہ مسٹر کو نے صرف محصولات کے معاملے تک اپنی بحث کو محدود رکھا تھا ۔ چونکہ ٹائمز کے ارباب حل و عقد نے نہ میرا خط چھاپا، اور نہ کسی اور مراسلے کی اشاعت کی جو اس کے متعلق لکھا گیا ۔ اس لئے کیا ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ ان کی غلط فہمی دیدہ و دانستہ اور بالا ارادہ تھی ؟

کے لئے ہے۔ اور ضمانت کو قابل قبول بنانے کے لئے متعلقہ دول خارجہ نے اس پر اصرار کیا کہ مرکزی عہدوں پر باہر کے لوگوں کا تقرر کیا جائے گا۔ محصولات کے محکمہ کی طرح بیرونی انسپکٹر جنرل کا تقرر چینی حکومت کرتی ہے۔ اور محصولات کے صیغے میں جو صورت ہے بعینہ ویسی ہی یہاں بھی ہے۔ محصولات اور نمک کا ٹیکس چین کی خارجی قرضوں کی ضمانت ہیں۔ یہ بات نیز ان صیغوں میں خارجی لوگوں کا نظم ونسق اس قسم کے مواقع پیدا کرتا ہے کہ دول خارجہ چینی معاملات میں دست اندازی کریں اور اس مداخلت کو ترک کرنے کا وہ کوئی میلان ظاہر نہیں کرتے جس طریقے سے اس صورت حالات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس کی تشریح وتمثیل میں وہ تین تار برقیاں پیش کی جاتی ہیں۔ جو ٹائمز کے کالموں میں سال رواں کے ماہ جنوری میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۴ جنوری ۱۹۲۲ء کو اخبار ٹائمز نے اپنے وقائع نگار متعینہ پیکن کی طرف سے یہ برقی پیام شائع کیا ہے۔

یہ تصور عجیب ہے کہ دول خارجہ کی صرف ایک ہی جنبش قلم سے ملک چین اپنے مطالبات اور بار ہائے کفالت کو پائی پائی ادا کر سکے اور حکومت کے خزانے میں ایک معتدبہ رقم جمع ہو جائے لیکن بیرونی جنبش قلم کے بغیر دیوالیہ پن ناگزیر ہے باوجود مسلسل خانہ جنگیوں اور سیاسی پیچیدگیوں کے محصولات کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے اور گذشتہ سال تمام سالہائے ماسبق کی اعداد وشمار سے بقدر دس لاکھ پونڈ زیادہ ہوا۔ واشنگٹن کانفرنس نے جو اضافہ شدہ شرحیں منظور کی ہیں اس سے اسقدر آمدنی بہم ہوگی کہ تمام خارجی اور جزوی، داخلی قرضے چند سال کے اندر ادا ہو جائیں گے، اور محصول نمک کی آمدنی ایک گراں قدر توفیر کی شکل اختیار کر لے گی۔ اور پھر کسی کفالت سے زیر بار نہ ہوگی اور تمام وکمال چینی حکومت کے لئے چھوڑ دی جائے گی۔ مشکل یہ نہیں ہے کہ کس طرح روپیہ بہم پہونچایا جائے بلکہ ضرورت ایک ایسی حکومت کے قیام کی ہے۔ جس کی تفویض میں یہ روپیہ دیا جا سکے اور نہ اس شکل کے

رفع ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نظر آتی ہے۔"

شاید ٹائمز اس وقت سمجھے گا کہ یہ مشکل رفع ہوگئی کہ مانچو خاندان کے تاج وتخت کو بحال کردیا جائے۔

"محصول نمک سے حاصل شدہ گرانقدر توفیر کے متعلق پکین کے نامہ نگار کے دو تار ہیں جو ٹائمز کو ۱۲ و ۱۳ جنوری کو بھیجے گئے ہیں اور جو مظہر ہیں کہ چینی حکومت کو مصنوعی طور سے دیوالیہ بنا دینے میں ہمارا فائدہ ہے۔ پہلا تار (مرسلہ ۱۰ جنوری) حسب ذیل ہے:-

"چین کی موجودہ حالت بڑی عمدگی کے ساتھ ان واقعات میں منعکس ہوتی ہے جو دریائے یانگٹسی پر چنکیانگ کے قریب ایک بڑے محصول نمک کے مرکز میں پیش آئے ہیں چینی بیڑے کی مسلح کشتیوں کا ایک اسکواڈرن (دستہ) محصول نمک کے اس اسٹیشن کی طرف روانہ کیا گیا ہے اور پایہ تخت پکین کو نوٹس دے دیا گیا ہے کہ اگر تیس لاکھ ڈالر (قریباً لاکھ پونڈ) کی بقایا رقم فوراً نہ آئی تو حکومت کی آمدنی سے یہ رقم بالجبر وصول کرلی جائے گی اس اثنا میں دریائے یانگٹسی جو عظیم الشان کاروبار حمل ونقل ذخائر نمک کا ہوتا ہے وہ معطل کردیا گیا ہے متعلقہ سفارتخانوں نے اب ایک اسی قسم کا متفقہ نوٹ حکومت کو بھیجا ہے اور اس میں تنبیہ کی ہے کہ نمک کی تجارت اور دول خارجہ کی محصول خانوں کے کام میں جو بندش پیدا ہوگئی ہے اس کو فی الفور اٹھانے کی ضرورت ہے"۔

دوسرا تار بھی اتنا ہی دلچسپ ہے۔ وہ حسب ذیل ہے:-

"نمک کے محصول کے معاملے میں مداخلت کرنے کا سوال ایک سنگین صورت اختیار کررہا ہے چینی کشتیوں کا وہ دستہ جس کا ذکر میں نے ایک برقی پیغام مورخہ ۱۰ ماہ حال میں کیا ہے۔ ہنوز چنکیانگ کے قریب نمک کے کاروبار کو روکے پڑا ہے۔ نیز دو۔ پی۔ فو چین کے لبرل مسلک سیاست کا فوجی زعیم کو ہانکا کے محصول خانے پر قابض ہوگیا ہے اور اپنے زبردست آقا کے اغراض کے لئے محصول خانے کے مداخل کو زیر تصرف لانے

کی کوشش کر رہا ہے چنانچہ برطانوی، فرانسیسی اور جاپانی وزرا نے حکومت کو پھر مخاطب کیا ہے اور اس کو متنبہ کیا ہے کہ اگر ان بے ضابطہ کارروائیوں کا سدباب نہ کیا گیا تو وہ از خود آزادانہ کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گے، مبلغ ۲½ کروڑ پونڈ کا قرضہ بغرض تنظیم جدید محصول نمک کی ضمانت پر حاصل کیا گیا ہے۔ اور اس محکمہ پر دول خارجہ کے حکام کی جو نگرانی ہے اس میں مداخلت کرنا قرضے کے معاہدے کی خلاف ورزی کے ہم معنی ہے۔ چین کے مختلف حصوں میں جن میں سے بعض پایہ تخت پیکن کی مرکزی حکومت کی سیاست سے آزاد ہوگئے ہیں اور بعض نہیں ہوئے ہیں۔ مقامی ٹوچون (فوجی گورنر) محصول کی آمدنی کو اپنی تحویل میں رکھتے ہیں۔ اور اس میزان کو بڑی حد تک گھٹا کر دکھاتے ہیں جو خارجی سلطنتوں کے افسران معائنہ کی نگرانی میں آتی ہیں۔ لیکن جو رقم باقی رہی ہے وہ اتنی زیادہ ہے اور بار بار کے احتجاج اس قدر بے سود ثابت ہوئے ہیں کہ ساری متعلقہ سلطنتوں نے ابھی تک اسی کو مصلحت سمجھا ہے کہ چشم پوشی سے کام لیں۔ لیکن دریائے یانگتسی کے بعض مقامات میں جو دخل اندازی ہوئی ہے۔ اور جہاں استعمال کے لئے بحری طاقت لائی جاسکتی ہے، وہ ایک دوسرا معاملہ ہے۔ یہ صورت حالات اس نقطۂ نظر سے دلچسپ ہے کہ واشنگٹن کانفرنس میں بعض دوستانہ و امن پسندانہ قرار دادیں منظور ہوئی ہیں جن کی رو سے دول، آئندہ اس ملک میں کسی نوع کی عملی مداخلت سے اپنے کو باز رکھیں گی۔ لیانگ شیہ یی کی کابینہ وزارت کی جو وسیع پیمانے پر مزاحمت ہوئی ہے۔ اور مسئلہ نمک کے متعلق گفت و شنید میں جو حال میں دخل اندازی ہوئی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے نو کروڑ ڈالر (۲½ کروڑ پونڈ) کا جو قرضہ صیغہ نمک کی مداخل کی ضمانت پر لیا جانے والا تھا وہ ملتوی کر دیا گیا ہے، رہا یہ مسئلہ کہ سال آئندہ کی بابت جو تصفیہ تاریخ ۲۸ جنوری ہونے والا ہے۔ اس سے کیونکر عہدہ برآ ہوں۔ اس کا طے ہونا ابھی باقی ہے۔ کتنا مزیدار کھیل ہے! خود ہی مصنوعی دیوالیہ پن پیدا کرتے ہیں۔ اور پھر اس کے خمیازے

میں جو طوائف الملوکی پیدا ہوتی ہے، اس کے لئے ملک کو مورد سزا بناتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ واشنگٹن کانفرنس مداخلت کا اقدام کرے!

اس امر سے انکار کرنا بے کار ہے کہ اہل چین یہ مصائب اپنے سروں پر خود لائے ہیں اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ان کا ملک قابل اور دیانتدار افسر پیدا نہ کر سکا۔ اس معذوری اور نااہلی کا سرچشمہ چینی اخلاقیات میں ہے جو محض انسان کے خاندانی فرائض ہی پر زور دیتے ہیں اور اس کے ملکی فرائض کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ایک ملازم سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے سارے اہل خاندان کے اخراجات کی کفالت کرے، اور اس لئے وہ اسی وقت ایماندار بن سکتا ہے جب اپنے فرزندانہ فرائض کو خیرباد کہدے چین کے ارتقاء میں اس نظام خاندانی کا انحطاط ایک اہم تریں عنصر ہے۔ سارے نوجوانان چین اس کو محسوس کرتے ہیں۔ اور انسان یہ امید کر سکتا ہے کہ بیس سال کے بعد چین میں حکام کی دیانتداری اس سے نیچی سطح پر نہ رہے گی جتنی اس وقت یورپ میں ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی امید نہیں ہے۔ لیکن اس غرض کے لئے مغربی اقوام سے دوستانہ تعلقات ضروری ہیں۔ اگر ہم چین میں تحریک قومیت کو برانگیختہ کرنے کے درپے رہیں گے۔ جیسا کہ ہم نے ہندوستان میں کیا ہے۔ اور نیز جاپان میں تو اہل چین یہ خیال کرنے لگیں گے کہ جہاں جہاں وہ یورپ سے مختلف ہیں وہاں یہ اختلاف چینیوں کی فضیلت ہی کی بنا پر ہے۔ اس بیان میں اس سے زیادہ صداقت موجود ہے جتنی کہ اہل یورپ اعتراف کرنے پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تمام و کمال صحیح نہیں ہے، اور اگر چینی اپنے اس خیال کی جزوی غلطی کو سمجھ جائیں تو چین میں ہماری طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

میں نے اس باب میں انھیں کارروائیوں کا ذکر کیا ہے جو مختلف طاقتوں نے چین میں اس وقت تک کیں جب تک وہ جاپان سے آزاد ہو کر کام کرنے پر قادر تھیں۔ لیکن بعد ازیں چین میں جاپانیوں ہی کی چیرہ دستی سب سے زیادہ اہم اور فیصلہ طلب مسئلہ ہے۔

تنقید و تبصرہ

کتب

مطلع الانوار۔ آئینہ معرفت۔ شاعر کی راتیں۔ کشف الظلام۔ انتخاب دیوان شمس تبریز۔ منید الاطفال۔ مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب۔

مطلع الانوار | از مہاراج بہادر برق دہلوی۔ مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ :۔ آریہ بکڈپو۔ نئی سڑک۔ دہلی۔

جناب برق دہلی کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ مطلع الانوار آپ ہی کا دیوان ہے جو حال میں شایع ہوا ہے۔ شروع میں جناب زواں کا مقدمہ اور اصغر گونڈوی کا دیباچہ ہے جس میں شاعر اور اس کی نظموں سے تعارف کرایا گیا ہے۔

کلام عموماً اچھا ہے، بعض بعض نظمیں بہت دلکش ہیں۔ پیام شوق، میرا بائی، نسیم صبح تو بہت ہی خوب ہیں شمع کشتہ بھی اچھی نظم ہے۔

امید کہ اہل ذوق اسے دلچسپی سے دیکھیں گے۔

آئینہ معرفت | از سید اعجاز حسین صاحب ایم۔ اے لکچرر اردو الہ آباد یونیورسٹی۔ قیمت عہ۔

پبلشر لالہ رام نرائن بک سیلر کٹرہ روڈ الہ آباد۔

اردو میں شعر و شاعری پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اقسام شاعری کی بحث میں متصوفانہ شاعری کا بھی ذکر آیا ہے۔ مولانا شبلی مرحوم نے شعر العجم میں اس پر کافی بحث کی ہے لیکن اس موضوع پر مستقل تصنیف غالباً اپنی طرز کی پہلی کوشش ہے۔ جناب اعجاز حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس موضوع پر منتشر معلومات کو یکجا کر کے پڑھنے والے کے لئے بڑی سہولت پیدا کر دی۔ شروع میں ایک مقدمہ مصنف ہی کے قلم سے ہے جس میں تصوف کا ماخذ اور اس کی تعریف و ماہیت سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد پہلا باب شروع ہوتا ہے جس میں تصوف کی تاریخ، صوفیوں کے مختلف

فرقوں اور ان کے عقائد و نظریات سے بحث کی گئی ہے۔ افسوس کہ اس باب میں مصنف نے زیادہ کاوش فکر سے کام نہیں لیا ورنہ وہ سبائیوں اور نصیریوں کو کسی طرح اہل تصوف کی شاخ قرار نہ دیتے۔ جبریوں اور قدریوں کو صوفی قرار دینا بھی تعجب انگیز ہے۔ اکابر صوفیہ نے برابر ان جماعتوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے عبداللہ ابن سبا کو آگ میں ڈلوا دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی محتاج دلیل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جناب مصنف آیندہ اشاعت میں مزید تحقیق سے کام لیں گے۔

دوسرا باب مقامات اور مصطلحات تصوف کی تشریح سے تعلق رکھتا ہے پھر فارسی صوفیانہ شاعری کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا اصلی حصہ "اردو شاعری میں تصوف" شروع ہوتا ہے۔ یہ دو بابوں میں تقسیم ہے پہلا میراں جی کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور ولی پر ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے کا آغاز میر درد سے ہوتا ہے اور خاتمہ ڈاکٹر اقبال پر ہوتا ہے۔

کتاب بہرحال دلچسپ ہے۔ امید کہ اہل ذوق اس سے کافی محظوظ ہوں گے۔

شاعر کی راتیں | از حضرت جوش ملیح آبادی۔ حضرت جوش ملیح آبادی اس وقت ایک خاص "پیام" کے مالک ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو موجودہ عہد کے اکثر شعرا میں ناپید ہے۔ ان کا کلام لطیف، دل نشیں، بامحاورہ اور دل میں تڑپانے والا ہوتا ہے تشبیہہ و استعارہ میں تو حضرت جوش کا کوئی حریف ہی نہیں اور نہ مستقبل قریب میں توقع ہے۔

موصوف کا پورا کلام عنقریب جامعہ عثمانیہ کی طرف سے تین مجلدات میں شائع ہونے والا ہے۔ سردست جناب اعجاز الحق صاحب قدوسی نے جوش صاحب کی چند نظمیں شائع کر دی ہیں جو "وصال و فراق" انتظار اور بیتابی وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یوں تو ہر نظم خوب ہے لیکن "مست رات" اور "بدمست رات" کا تو جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ کلام کے آخر میں چند رباعیات ہیں، وہ بھی بہت خوب ہیں نمونتہً ایک رباعی آپ بھی سن لیجئے اور بار بار لطف اٹھائیے۔

کیا کہیے عجیب بادہ خواری تھی کبھی | جب مستی حسن و عشق طاری تھی کبھی
ہمدم! پھر اسی رات کا چھیڑ افسانہ | جو پہلوئے جاناں میں گزاری تھی کبھی

آخر میں ہم دبی زبان سے یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت جوش نے بعض مقامات پر زبان میں جو "تصرفات" فرمائے ہیں وہ بڑی حد تک محل نظر ہیں۔ نمونتہً دو شعر اس سلسلہ میں بھی ملاحظہ ہوں:۔

"انتظار کی رات" کا ایک شعر ہے:۔

دل میں ہے خوش سلیقگی بیدار　　　آج گھر، گھر بنا ہے پہلی بار

خوش سلیقگی کا "بیدار" ہونا بالکل نئی بات ہے۔

"اشکوں کی رات" میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

بن میں جس طرح جھومتی برسات　　　موسم گل کی جیسے پہلی رات

برسات کا "جھومنا" بھی مستند نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

کتاب بہرحال بہت عمدہ ہے اور اس قابل ہے کہ صاحب ذوق سلیم کی میز پر رہے۔ کتابت و طباعت معمولی، کاغذ اچھا، قیمت درج نہیں۔ اعجاز الحق صاحب قدوسی نام پلی جدید مکان نمبر ۱۹۷ حیدرآباد (دکن) کے پتہ سے ملے گی۔

کشف الظلام | از شاہ محمد عزالدین صاحب پھلواری۔

یہ کتاب شیخ الاسلام علامہ تقی الدین سبکی کی معرکۃ الآرا تصنیف شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام کا اردو ترجمہ ہے جس میں حسب ذیل مسائل پر بحث کی گئی ہے، زیارت قبور، استمداد، توسل، تشفع، حیات انبیا و شہدا، مقام محمود، اقسام شفاعت، ادعیۂ ماثورہ وغیرہ۔

بقول مترجم "شیخ تقی الدین سبکی نے ابن تیمیہ کے بعض خاص اور نرالے خیالات کی تردید میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب میں "تحقیق" سے زیادہ خوش عقیدگی کو دخل ہے۔ جس طرح علامہ سبکی کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے اسی طرح علامہ ابن تیمیہ بھی ہر صاحب علم شخصیت سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے بعض خاص اور نرالے خیالات کو اہمیت دے کر کیوں یہ کتاب لکھی گئی اور کیوں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ "خاص اور نرالے" خیالات صرف ابن تیمیہ ہی کے نہیں ہیں بلکہ کبار محدثین کے ہیں، متمسکین کتاب و سنت کے ہیں، اصحاب اخبار و آثار کے ہیں، حجاز کے اکابر رجال کے ہیں، ائمہ اسلام کے ہیں، اور یہ گروہ اپنی رائے میں منفرد نہیں ہے۔ اس کی زبان پر کتاب اللہ اور ہاتھ میں سنت رسول کا سررشتہ موجود ہے۔ اہل بدعت سے اگر قطع نظر کر لیجئے تو تمام اصحاب رائے "شد رحال" کے متعلق جس نظریہ پر عامل ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ علامۂ سبکی کی اس کتاب کا ترجمہ نفس مسئلہ پر کوئی قاطع دلیل نہیں بن سکتا اور پھر جب ہم اس کتاب کی حدیثوں کو دیکھتے ہیں، ان کے طریق استنباط و

استدلال کو دیکھتے ہیں، قرآن حکیم کی آیتیں دیکھتے ہیں اور "ہم تفسیر بالرائے دیکھتے ہیں" "قیاس و اجماع" کے نام پر جواز استمداد و توسل وغیرہ دیکھتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ "خاص اور نرالے" خیالات کس کے ہیں، ابن تیمیہ کے یا علامہ سبکی کے ؟ جتنی حدیثیں اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں ان میں سے اکثر محل نظر، بعض قطعاً موضوع اور متعدد ضعیف ہیں۔ یہ سرمایہ اگر کتاب سے نکال لیا جائے اور قرآن کی "تفسیر بالرائے" کو الگ کر دیا جائے تو موشگافی، دقیقہ سنجی اور نکتہ آفرینی کے سوا رہ کیا جاتا ہے ؟

مترجم صاحب نے ترجمہ صاف اور ستھرا کیا ہے، گو روانی نہیں قائم رہ سکی ہے لیکن بہرحال ترجمہ اچھا ہے۔ افسوس ہے کہ طباعت اور کتابت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ متعدد کاتبوں سے لکھوایا گیا ہے اسی لئے خط میں یکسانی نہیں رہی ہے۔ کاغذ معمولی قیمت عہ۔ پتہ درج نہیں غالباً پھلواری ضلع پٹنہ کے پتہ سے مل سکے۔ جو لوگ اس قسم کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ ضرور اسے منگائیں۔

انتخاب دیوان شمس تبریز | از ڈاکٹر رینالڈ نکلسن، مرتبہ عبدالمالک صاحب آروی، طابع و ناشر ایوان اشاعت گورکھپور، قیمت فی جلد عہ، کتابت عمدہ، طباعت معمولی، سرورق سادہ، کاغذ عمدہ۔

آروی صاحب نگار اور دوسرے رسالوں میں مستشرقین یورپ کے خیالات و نتائج تحقیق سے اردو داں حضرات کو مستفید فرمایا کرتے ہیں۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ڈاکٹر نکلسن کی کتاب کے ساتھ ہی ساتھ آروی صاحب نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق اختلاف بھی کیا ہے، اور تشریح بھی کی ہے۔

کچھ عجیب بات ہے ہندوستان پر بالخصوص کچھ ایسی مرعوبیت چھائی ہے کہ حد بیان سے باہر ہے، عام اور خاص سب ہی اس میں مبتلا ہیں۔ عوام اس کتاب کو بڑے اشتیاق سے دیکھیں گے جو کسی "صاحب" کی لکھی ہوئی ہو اور خواص بڑی اہمیت کے ساتھ اس کتاب کا ترجمہ کریں گے، حواشی لکھیں گے، شرح لکھیں گے جو کسی "مستشرق" کے قلم سے نکلی ہو، گویا معیار تحقیق یہ پا گیا ہے کہ ہندوستان کے باہر کی علمی دنیا جو انکشافات کرے، جو نظریے قائم کرے، جو تحقیق کرے، ہندوستان کا اہل علم اس پر ایک عمارت تیار کر دے گا اور وہی ایک "معیار" ہوگا۔

اسی کتاب کو لیجئے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر آروی صاحب خود تلاش و تفحص، کاوش و جستجو سے کام لیتے تو یقیناً نکلسن سے زیادہ داد تحقیق دے سکتے تھے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے۔

کتاب بہرحال مستحق ستائش ہے اور مرتب صاحب حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اتنی محنت اور کاوش کے بعد اسے پبلک کے سامنے پیش کیا۔ یقین ہے کہ کتاب کی کافی قدر کی جائے گی۔ ۱۲ میں ۲۳۶ صفحہ کی کتاب اور وہ بھی عمدہ کاغذ پر کچھ گراں نہیں۔

مفید الاطفال یہ فن تجوید کی تیس صفحہ کی کتاب ہے جس کو مولوی قاری محمد حسین صاحب نے اس فن کے مبتدیوں کے لئے لکھی ہے۔ جو لوگ اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ غیر مفید نہ ہوگا۔ اجمل پریس پرنسس بلڈنگ بمبئی نمبر ۹ کی مطبوعہ ہے۔ غالباً یہیں مل سکے گی۔ قیمت درج نہیں ہے۔ اکثر حروف کٹے ہیں اور کہیں کہیں بعض جملے بھی غائب ہیں۔

مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب ملک میں سیاسی بیداری کی وجہ سے قدرتاً لوگوں کو ہندوستان کے معاشی حالات کے مطالعہ سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ گذشتہ دس سال کے اندر ہندوستان کے معاشی حالات اور مسائل پر جتنی کتابیں، رسائل اور مضامین شائع ہوئے ہیں اتنے اس سے قبل کبھی شائع نہیں ہوئے۔ عوام کو چھوڑ کر خواص اور تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی اپنی قومی زندگی کے اس پہلو سے جو حیات قومی کے بقا اور تسلسل کے لئے ضروری ہے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی کالج کی اونچی جماعتوں میں اصول کی چند کتابیں نصاب میں شامل تھیں اور ان کی تعلیم کا مقصد بھی صرف امتحان میں نمبر حاصل کرنا سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان کے معاشی حالات کے متعلق یا تو سرکاری رپورٹیں ہوتی تھیں جنھیں کوئی پڑھتا نہ تھا یا ایک دو رسالے بھی ضمناً درس میں شامل کردیے جاتے تھے جنھیں سارا زور زراعت اور تجارت کے مقابلہ یا ریلوں اور نہروں کے فوائد اور نقصانات پر صرف کیا جاتا تھا، باقی مسائل مثلاً زر اور مبادلہ کا مسئلہ اس لئے خارج از بحث تھا کہ اس کا سمجھنا بہت دشوار ہے "مالیاتی" مسائل پر غور کرنے کی اس لئے ضرورت نہ تھی کہ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" ہمیں اس سے کیا فائدہ۔

اس جہالت کے دور میں چند قابل قدر ہستیاں ملک میں پیدا ہوئیں اور انھوں نے ہندوستان کے مختلف معاشی مسائل پر آزادانہ بحث کی اور تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی ان مسائل پر غور و فکر اور مطالعہ کی طرف متوجہ کیا۔ رفتہ رفتہ سیاسی تحریکات نے جو زیادہ تر ملک کی معاشی تباہ حالی کے احساس کا نتیجہ کہی جاسکتی ہے خواص اور عوام دونوں کو ہندوستان کے معاشی مسائل کے مطالعہ کی طرف متوجہ کرایا۔

انگریزی میں ہر سال متعدد رسائل اور کتب شائع ہوتی رہتی ہیں البتہ دیسی زبانوں میں اب تک بہت کم کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ اب اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ انگریزی سے اردو اور دیگر دیسی زبانوں میں تراجم کئے جائیں۔

زیرنظر کتاب مسٹر جے ۔سی۔ کمارپّا پروفیسر گجرات ودیاپیٹھ کے ان مضامین کا ترجمہ ہے جو ایک عرصے تک گاندھی جی کے ینگ انڈیا میں شائع ہوتے رہے اور بعد میں کچھ ترمیم اور اضافے کے بعد کتابی شکل میں شائع کئے گئے۔ اس کتاب کا ترجمہ ہندی۔ گجراتی اور ملک کی دیگر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ قاضی محمد حسین صاحب شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ گو "ان کی زندگی کے مشاغل تصنیف وتالیف سے مختلف ہیں" مگر انھوں نے اپنی "مجرمانہ جرأت" سے اردو داں حضرات کو ایک اہم موضوع پر ایک بہت ہی دلچسپ اور مفید کتاب کے مطالعہ کا موقع دیا۔

یہ رسالہ چھوٹی تقطیع کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے باقی ستر صفحات "تتمات" کے لئے وقف ہیں جن میں درآمد وبرآمد کے نقشے، زرعی پیداوار کے اعداد وشمار، سرکاری میزانیہ کی مدات آمد و خرچ، فوجی مصارف کے متعلق مفید اعداد وشمار اور سرکاری قرضہ کے متعلق ۔۔۔۔ کمیٹی کی رپورٹ کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ اصل کتاب میں مصنف نے "یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مالیات عامہ کو بے عقلی سے صرف کرنے کا کس قدر افسوسناک نتیجہ ہوتا ہے" مصنف کے خیال میں "طریق کار کی بہتری اور خرابی کا معیار وہ نتائج ہیں جو ان طریقوں پر عمل کرنے سے ظاہر ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ جب لوگ بھوکوں مر رہے ہوں اس وقت غذا حاصل کرنے کے وسائل پر توجہ کرنا تعلیم پر روپیہ صرف کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔"

کتاب آٹھ ابواب پر تقسیم ہے اور حکومت ہند نیز صوبجاتی حکومتوں کے ذرائع آمد اور مدات خرچ پر بحث کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حکومت نے محصولات کے عائد کرنے میں اور حاصل شدہ رقوم کو صرف کرنے میں ملک کے حقیقی مفاد کو نظر انداز کرکے صرف شہنشاہی مفاد یا انگریزی تجار کے مفاد کو پیش نظر رکھا۔ مصنف نے جگہ جگہ اپنے بیانات کی تائید میں انگریزی مدبرین اور معاشئین کے اقوال نقل کئے ہیں اور موجودہ وزیراعظم برطانیہ کی ایک ضبط شدہ کتاب "بیداریٔ ہند" کا حوالہ اکثر دیا گیا ہے۔ اسلوب بیان اس قدر سلجھا ہوا ہے کہ ہر شخص اس پیچیدہ مسئلہ کی نوعیت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مترجم نے کتاب کی اس خصوصیت کو قائم رکھا ہے اور ترجمہ مجموعی حیثیت سے بہت اچھا ہے۔ اس قسم کے مضامین کے ترجمہ میں اصل دقت وضع اصطلاحات میں پڑتی ہے، پھر نئی نئی

اصطلاحات سے لوگ آشنا نہیں ہوتے اس لئے کتاب کا مضمون غیر دلچسپ معلوم ہوتا ہے یا اگر اصطلاحات علمیہ کو ترک کیا جائے تو وہی مفہوم کئی کئی سطروں میں ادا کرنا پڑتا ہے اور غیر ضروری طوالت بیان میں پیدا ہو جاتی ہے مترجم نے بہت احتیاط کی ہے کہ اور اصطلاحات کو غیر ضروری طور پر استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔

کتابت کی اغلاط کی ایک فہرست شروع میں دیدی گئی ہے لیکن مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہرست نامکمل ہے۔ اسوجہ سے کہیں کہیں عبارت میں سقم پیدا ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر مفید ہے کہ غالباً اس کے دوسرے ایڈیشن کی جلد ضرورت ہوگی۔ امید ہے کہ آیندہ ایڈیشن میں یہ اغلاط بھی نہ رہیں گی۔ کتاب کی قیمت ۸ر ہے اور مکتبہ جامعہ قرولباغ دہلی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

رسائل

حکیم الہند ۔ مسلمہ ۔ سنیاسی ۔ THE PEACE MAKER

حکیم الہند | یہ ایک طبی پرچہ ہے جو سید محمد محسن علی خاں زیدی کے زیر ادارت مظفر نگر یو۔ پی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ زیر تبصرہ رسالہ پہلی جلد کا دوسرا اور تیسرا نمبر ہے۔ مقصود اس رسالہ کا جیسا کہ اغراض و مقاصد کے ماتحت جناب مدیر فرماتے ہیں یہ ہے کہ علمی، ادبی، اخلاقی، تفریحی، تمدنی، معاشرتی پہلو پر مضامین شائع کر کے علم دوست اصحاب کو بالخصوص اور عوام کو بالعموم طبی معلومات بہم پہونچائی جائے نیز طب یونانی کی اشاعت کیجائے وغیرہ وغیرہ۔ میرے خیال میں جناب مدیر کی بیک وقت اتنی کوششیں کہ ایک طرف طب اور طب سے متعلق جتنی باتیں بھی ہوں پوری ہوتی رہیں تو دوسری طرف ذوق ادب بھی ہاتھ سے نہ جائے بے سود ہے۔ کسی رسالہ کے پیش نظر اگر ایک ہی مقصد ہو اور اسی مقصد کے ماتحت اگر پوری جد و جہد کی جائے تو زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے یہی مشورہ جناب مدیر صاحب کی خدمت میں پیش ہے۔ طب کی خدمت ایک مستقل خدمت ہے، ادبی اور معاشرتی کاموں کے لئے دوسرے پرچے جو اسی ہندوستان سے نکل رہے ہیں کافی ہیں۔ پیش نظر رسالہ میں بعض مضامین اچھے ہیں مثلاً بیماریوں کے روکنے کی تدابیر، طب کا مقصد وغیرہ۔ زبان آسان اور سہل ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ خواہ مخواہ عربی الفاظ ٹھونسنا ادبیت کی شان نہیں ہے۔ لکھائی چھپائی معمولی، چندہ سالانہ ایک روپیہ۔

مسلمہ | مسلمہ نام کا ایک رسالہ عورتوں اور بچوں کے افادہ کی غرض سے جناب حمیرا صاحبہ نے جالندھر (پنجاب) سے نکالنا شروع کیا ہے۔ پرچہ کی سرپرست بیگم صاحبہ نواب لیاقت حیات خاں بہادر وزیر اعظم پٹیالہ ہیں۔ عرصہ ہوا

کہ جناب مولانا عبدالحق صاحب کے مبارک ہاتھوں سے انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد پڑی تھی۔ اس کے مقاصد وسیع تھے۔ منجملہ ان مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوستان میں عورتوں اور بچیوں کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے چنانچہ سنہ ۲۴ء میں انھیں بزرگ نے ایک زنانہ مدرسہ بھی اسی انجمن کے ماتحت کھولا جو بفضلہ کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ آج اسی مدرسہ کا یہ آرگن بھی شائع ہو گیا اور زیر تبصرہ رسالہ اسی کا پہلا اور دوسرا نمبر ہے۔ مضمون نگاروں میں خواجہ حسن نظامی، حفیظ جالندھری جیسے بزرگوں کا نام بھی ہے جو پرچہ کی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے۔ لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے چندہ سالانہ ایک روپیہ جو کچھ زیادہ نہیں ہے۔

سنیاسی | اس نام کا ایک رسالہ حکیم عارف صاحب کے زیر ادارت گجرات (پنجاب) سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ زیر تبصرہ رسالہ پہلی جلد کا تیسرا نمبر ہے۔ جناب مدیر کا مقصود اس پرچہ کے اجراء سے یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی و اقتصادی زندگی میں جو ابتری رونما ہے وہ دور کی جا سکے یعنی ہندو اور مسلمان جو یہاں کی دو بڑی قومیں ہیں ان میں محبت و یگانگت کا رشتہ مضبوط کیا جائے، یہ دونوں مل جل کر ہندوستان کی بھلائی میں کوشاں ہوں اور پھر ایک دفعہ ہندوستان کو جنت کا نمونہ دیکھا جا سکے۔ جناب مدیر نے اسی مقصد کے ماتحت مضامین بھی فراہم کئے ہیں چنانچہ "تاریخ سندھ کا ایک ورق" یہ ایک مضمون ہے جس میں ایک سے زیادہ ایسے تاریخی قصے جمع کئے گئے ہیں جن کو پڑھ کر مسلمانوں کی رواداری کا ثبوت ملتا ہے اور اسی طرح "سنیاسی بھائیوں کا فرض" بھی اسی مقصد کو پورا کرتا ہے۔

اس قسم کے رسالے اگر بڑے پیمانہ پر ہندوستان سے نکلیں تو بہت زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔ ہم جناب مدیر کے جذبات کی قدر کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ التماس بھی ہے کہ پرچہ کا معیار ذرا بڑھایا جا سکے تو اچھا ہے۔ کاغذ بھی بہت معمولی ہے، لکھائی چھپائی بھی کچھ اچھی نہیں۔ چندہ سالانہ ۱۲؍

The Peace Maker | ایک انگریزی کا بائیس صفحہ ماہوار رسالہ ہے جو مدراس سے نکل رہا ہے۔ زیر تبصرہ رسالہ جلد دوم کا آٹھواں نمبر ہے۔ مضامین زیادہ تر مذہبی ہیں اور مفید مگر بہت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے جو مذہب کی ابتدائی باتیں معلوم کرنا چاہتے ہیں مفید ہے۔ چندہ سالانہ ۲ ہے جو پرچہ کی حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔

دنیا کی رفتار

ہندوستان

وزیر اعظم کا فیصلہ کئی مہینے کے انتظار اور شدید انتظار کے بعد بالآخر وزیر اعظم برطانیہ نے فرقہ وارانہ مسئلہ پر بحیثیت ایک ثالث کے اپنا فیصلہ صادر کر دیا جداگانہ انتخاب قائم رکھا گیا ہے صوبجات پنجاب اور بنگال میں اکثریت اور دیگر صوبجات میں اقلیتوں کے لئے نشستوں کا تحفظ کر دیا گیا ہے۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے "آئینی اکثریت" تو نہیں قائم کی گئی ہے لیکن ایسی صورتیں پیدا کر دی گئی ہیں کہ کم از کم پنجاب میں مسلمانوں کی عملی اکثریت یقینی ہے البتہ بنگال میں مسلمانوں کی عملی اکثریت کے متعلق شبہ ہے۔ وزیر اعظم نے اس کا امکان باقی رکھا ہے کہ اگر مختلف فرقے اور جماعتیں آپس میں کسی وقت کوئی مفاہمت متفقہ طور پر کر لیں تو یہ سرکاری فیصلہ واپس لیا جائے گا ورنہ دس سال کے بعد پھر از سر نو اس پر نظر ثانی کی جائے گی۔ فیصلہ صرف صوبجات کی مجالس قانون ساز میں نشستوں کی تقسیم اور طریق انتخاب کے متعلق کیا گیا ہے، مرکزی حکومت کا معاملہ فی الحال بالکل ملتوی کر دیا گیا ہے۔ مختلف صوبجات میں نشستوں کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر کی گئی ہے:-

صوبہ	عام حلقہ (ہندو)	اچھوت	پسماندہ علاقے	سکھ	مسلمان	ہندوستانی عیسائی	اینگلو انڈین	یوروپین	تجارت و صنعت و حرفت	زمینداروں کے مخصوص حلقے	یونیورسٹی کے مخصوص حلقے	مزدوروں کے مخصوص حلقے	میزان	مسلمانوں کی نشستوں کا تناسب
مدراس	۱۳۴ (۶ عورتیں)	۱۸	۱	-	۲۹ (۱ عورت)	۹ (۱ عورت)	۲	۳	۶	۶	۱	۶	۲۱۵	۱۳٫۵
بمبئی (بشمول سندھ)	۹۷ (۵ عورتیں)	۱۰	۱	-	۶۳ (۱ عورت)	۳	۲	۴	۸	۳	۱	۸	۲۰۰	۳۱٫۵
بنگال	۸۰ (۲ عورتیں)	-	-	-	۱۱۹ (۲ عورتیں)	۲	۴ (۱ ایک عورت)	۱۱	۱۹	۵	۲	۸	۲۵۰	۴۷٫۶
صوبہ متحدہ	۱۳۲ (۴ عورتیں)	۱۲	-	-	۶۶ (۲ عورتیں)	۲	۱	۲	۳	۶	۱	۳	۲۲۸	۲۵٫۴
پنجاب	۴۳ (۱ عورت)	۰	۰	۳۲ (۱ عورت)	۸۶ (۲ عورتیں)	۲	۱	۱	۱	۵	۱	۳	۱۷۵	۴۹٫۱
بہار و اڑیسہ	۹۹ (۳ عورتیں)	۷	۸	-	۴۲ (۱ عورت)	۲	۱	۲	۴	۵	۱	۴	۱۷۵	۲۴
صوبہ متوسط (بشمول برار)	۷۷ (۳ عورتیں)	۱۰	۱	-	۱۴	۰	۱	۱	۲	۳	۱	۲	۱۱۲	۱۲٫۵

صوبہ	عام حلقہ (ہندو)	اچھوت	پسماندہ علاقے	سکھ	مسلمان	ہندوستانی عیسائی	اینگلو انڈین	یوروپین	تجارت و صنعت و حرفت	زمینداروں کے مخصوص حلقے	یونیورسٹی کے مخصوص حلقے	مزدوروں کے مخصوص حلقے	میزان	مسلمانوں کی نشستوں کا تناسب فیصدی
آسام	۴۴ (۱ عورت)	۴	۹	-	۳۴	۱	۰	۱	۱۱	۰	۰	۴	۱۰۸	۳۱٫۵
صوبہ سرحد	۹	۰	۰	۳	۳۶	۰	۰	۰	۰	۲	۰	۰	۵۰	۷۲
بمبئی (بلا سندھ)	۱۰۹ (۵ عورتیں)	۱۰	۱	۰	۳۰ (۱ عورت)	۳	۲	۳	۷	۲	۱	۷	۱۷۵	۱۷٫۱
سندھ بلا بمبئی	۱۹	۰	۰	۰	۳۴ (۱ عورت)	۰	۰	۲	۲	۲	۰	۱	۶۰	۵۶٫۷

جداگانہ انتخاب کے حامیان کے لئے اس فیصلہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو مایوس کن ہو۔ پنجاب اور بنگال میں اکثریت کے حقوق اور دیگر صوبجات میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے مختلف فرقوں کے مطالبات کو پیش نظر رکھ کر اسی قسم کا فیصلہ ہو سکتا تھا۔ پہلی گول میز کانفرنس میں مرحوم سر محمد شفیع بھی اسی پر سمجھوتا کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے لیکن فضا سازگار نہ تھی اس لئے کسی معقول بات پر نہ پہلی گول میز کانفرنس میں سمجھوتا ہو سکا اور نہ دوسری کانفرنس میں، مجبوراً یہ مسئلہ ایک ثالث کے سپرد کیا گیا۔ اب اس فیصلہ کو قبول کرنے کی اخلاقی ذمہ داری انہیں فرقہ پرست جماعتوں پر ہے جن کی ناسمجھی اور ضد کی بدولت آپس میں سمجھوتا ناممکن ہو گیا اور اس کا فیصلہ ایک ثالث پر چھوڑنا پڑا۔

... ...

مخلوط انتخاب کے حامیوں کو البتہ اس فیصلے سے بعید مایوسی ہوئی ہو گی اس لئے کہ طریق انتخاب کے لئے "جداگانہ انتخاب" کا اصول آخری طور پر تسلیم کر لیا گیا، اس کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی کہ ایک مدت معینہ کے بعد مخلوط انتخاب خود بخود رائج ہو جائے، فی الحال بیس سال تک اچھوتوں کے لئے اور دس سال تک دیگر اقلیتوں کے لئے اس طریق انتخاب پر عمل درآمد رہے گا اور اس کے بعد پھر "مخلوطیوں" اور "جداگانیوں" کی معرکہ آرائی ہو گی اور مناسب حال فیصلہ کیا جائے گا۔ مخلوط انتخاب کے حامیوں میں کانگریس، لبرل لیگ، جمعیۃ العلماء، مسلم نیشنلسٹ پارٹی، بنگال مسلم لیگ وغیرہ کو کیسر نظر انداز کر کے صرف فرقہ پرست طبقہ کے جذبات کا احترام کیا گیا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس کا تعلق ہے اس کے لئے بھی

اس فیصلہ پر شکایت کا کوئی موقع نہیں اس لئے کہ فرقہ وارانہ مسئلہ میں کانگریس نے شروع سے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا ہے اور وہ ہر اس فیصلہ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے جو آپس کی مفاہمت سے ہو خواہ کسی ثالث کی طرف سے صادر کیا جائے، لیکن پھر بھی کانگریس موجودہ فیصلہ سے مطمئن اور خوش نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جب تک 'جداگانہ انتخاب' کی دیواریں سیاسی میدان میں مختلف فرقوں کے درمیان حائل رہیں گی کسی جماعت کو دوسرے فرقوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوگی اور موجودہ کشیدگی جاری رہے گی، بلکہ مزید حقوق اور مزید اختلافات کے امکانات اور زیادہ ہوں گے۔

... ...

اصل سوال اب یہ ہے کہ کیا اس فیصلہ کے بعد فرقہ وارانہ مسئلہ بالکل طے ہو گیا اور دستور اساسی کی ترتیب میں جو دشواریاں حائل تھیں وہ سب دور ہو گئیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ 'اثبات' میں نہیں دیا جا سکتا؛ اصل معاملہ سب سے بڑی 'اقلیت' اور سب سے بڑی 'اکثریت' کے درمیان سمجھوتے کا تھا مسلمانوں نے اپنے اقل چودہ مطالبات جزوی حیثیت سے نہیں بلکہ کلی حیثیت سے پیش کئے تھے جو یا تو پورے کے پورے منظور کئے جائیں یا ان مطالبات کے کسی ایک جزو کے رد سے تمام مطالبات کا رد لازم آئے گا۔ وزیر اعظم کے فیصلہ میں چودہ مطالبات میں سے صرف ایک مطالبہ یعنی 'جداگانہ انتخاب' منظور کیا گیا ہے۔ تناسب آبادی کے لحاظ سے بنگال اور پنجاب میں نشستوں کا تحفظ یا کم از کم اپنی اکثریت کا مطالبہ اصولاً نامنظور کیا گیا ہے، گو صورتیں ایسی پیدا کر دی گئی ہیں کہ کم از کم پنجاب میں 'عملی اکثریت' کی پوری امید کی جا سکتی ہے۔ بنگال میں جہاں مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے عملی اکثریت کی بھی توقع بہت کم ہے، اس کے علاوہ مرکزی مجالس میں مسلمانوں کی ایک ثلث نیابت، سندھ کی علیحدگی وغیرہ وغیرہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے، اس لئے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے کہنا یہ چاہئے کہ کوئی 'فیصلہ' اب تک نہیں ہوا۔ یوروپین جماعت، پست طبقہ کے لوگ، مزدور پیشہ جماعت اور طبقۂ نسواں بجا طور پر وزیر اعظم کے فیصلہ سے مطمئن ہیں۔ اس لئے کہ ان کی توقعات سے زیادہ حق نیابت ان کو دیا گیا ہے۔ باقی سکھ، ہندو اور مسلمان جن کی وجہ سے دراصل فرقہ وارانہ مسئلہ اب تک طے نہیں ہو سکا تھا وہ اب بھی اسی جگہ ہیں جہاں پہلے تھے۔

... ...

لیکن اگر مسلمان پنجاب اور بنگال میں اپنی 'عملی اکثریت' سے خوش بھی ہو جائیں اس لئے کہ صوبہ کی

حکومت اور وزارت کی باگ ان کے ہاتھوں میں آجائے گی تب بھی جبتک کہ وفاقی نظام حکومت کی نوعیت اور تحفظات وغیرہ کا مسئلہ نہ طے ہوجائے کسی کو مطمئن نہ ہونا چاہئے خواہ مسلمان وزارت پر فائز ہوجائیں جیسے کہ آج ہیں اور گورنری بھی مل جائے لیکن ان کے تمام اختیارات کالعدم بنا کئے جاسکتے ہیں اگر حقیقی اختیارات "تحفظات" کی مد میں صوبہ کے گورنر اور حضور وائسرائے کی تحویل میں رکھے گئے۔ اسی لئے قوم پرور جماعت کو اصل انتظار اس فیصلہ کا نہ تھا جس میں صوبجاتی نشستوں کی تقسیم اور "جداگانہ انتخاب" کا مسئلہ طے کیا گیا بلکہ اس مسودۂ قانون کا انتظار ہے جو برطانوی کابینہ نے تیار کر لیا ہے اور اس کے اعلان کے بعد معلوم ہوجائے گا کہ ہندوستان میں محض نام کی ذمہ دار حکومت قائم کی جائے گی یا صحیح معنی میں ذمہ دار "صوبجاتی" اور "وفاقی" نظام حکومت قائم کیا جائیگا۔ عملی اکثریت سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جب وزارت عملاً گورنر یا گورنر جنرل کے چیف سکریٹری کے ماتحت نہ ہو صوبجات کے علاوہ مرکز میں بھی مکمل ذمہ دار حکومت قائم ہو۔ "تحفظات" اگر ہوں تو ہندوستان کے مفاد کے لئے ہوں اور تصدیق اور تردید کے اختیارات بجائے گورنران صوبہ اور گورنر جنرل کے ملک معظم کو تفویض کئے جائیں۔

<u>مشترکہ انتخاب اور بنگال</u> | تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو "سمت" رگ مسلمانان بنگال کے "چست نمائندوں" نے ہندوستان سے لے کر انگلستان تک "جداگانہ انتخاب" کے لئے آفت مچا دی اور دوسری طرف عین اس وقت جب کہ وزیر اعظم کی طرف سے "جداگانہ انتخاب" کے حق میں فیصلہ صادر کیا جارہا تھا تو خود بنگال کی صوبجاتی کونسل میں مسلم نمائندوں نے بلدیات کے لئے "مخلوط انتخاب" کی حمایت کی، ہوم ممبر صاحب نے مسلمانوں کے ہمدرد کی حیثیت سے "جداگانہ انتخاب" کے مصالح پر روشنی بھی ڈالی لیکن مسلمانوں کی تائید اور کثرت رائے سے "مخلوط انتخاب" کی تجویز منظور ہوگئی۔ پہلے بھی بنگال میں مخلوط انتخاب کا طریقہ رائج تھا لیکن اصلاحات ملنے کے بعد فرقہ پرست مسلمانوں نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سنہ ۲۳ء میں سر سریندر ناتھ بنرجی وزیر لوکل سلف گورنمنٹ نے میونسپلٹی ایکٹ میں ترمیم کی اور ۹ سال کے لئے "جداگانہ انتخاب" کا طریقہ منظور کیا گیا۔ یہ مدت آئندہ مارچ میں ختم ہوجائے گی۔ توقع تھی کہ وزیر اعظم کے اس فیصلہ کے بعد جداگانہ انتخاب کو آئندہ بھی قائم رکھنے کے لئے مسلمانان بنگال پوری کوشش کریں گے لیکن بنگال کونسل کی مسلم پارٹی کے لیڈر مسٹر فضل الحق اور دیگر مسلم اراکین نے ۹ سال کے تجربہ کے بعد بالآخر "مخلوط انتخاب" ہی کو "جداگانہ انتخاب" پر ترجیح دی

اور یہ ثابت کر دیا کہ مخلوط انتخاب کے متعلق جو خطرات مخالفین کی طرف سے بیان کئے جاتے ہیں وہ حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہیں۔ فرقہ پرستی کے متعلق سب سے زیادہ شکایت میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں کی جاتی ہے، مقامی معاملات میں میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کو اس سے کہیں زیادہ اختیارات اور حقوق اس وقت حاصل ہیں جتنے کہ صوبجاتی یا مرکزی کونسلوں کو۔ اس لئے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو سب سے زیادہ نقصان بھی انھیں میونسپلٹیوں میں پہونچا سکتا ہے اور پہونچاتا بھی ہے چنانچہ صوبہ بنگال میں مخلوط انتخاب اور جداگانہ انتخاب کے نقصانات اور فوائد کا عملاً مقابلہ کرنے کے بعد جداگانہ انتخاب کو ترجیح دے کر بنگال نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر کونسل کے انتخاب میں بھی مخلوط انتخاب کا تجربہ کیا جائے تو یہی طریقہ قابل ترجیح اور مفید قرار پائے گا۔

صنعت شکرسازی | جس طرح بیرونی مقابلہ میں ہندوستان کی اور تمام صنعتیں تباہ ہوگئیں اسی طرح صنعت شکرسازی بھی بالکل ختم ہوتی جارہی تھی لیکن گزشتہ چند سال سے اس صنعت کو ترقی دینے کی محکمہ صنعت وحرفت اور محکمہ زراعت دونوں کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے۔ صوبہ متحدہ اور صوبہ بہار کی سرزمین شکر کی کاشت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ثابت ہوئی ہے چنانچہ انھیں صوبجات میں امید ہے کہ بڑے پیمانہ پر صنعت شکرسازی کو ترقی دی جائے گی۔

حکومت ہند کے محکمہ صنعت وحرفت کی طرف سے اس صنعت کے متعلق چند اعداد وشمار شائع ہوئے ہیں جس سے موجودہ حالت کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ۳۱-۱۹۳۰ء میں کل رقبۂ زمین جس پر شکر کی کاشت ہوتی تھی ۲۹ لاکھ ۵ ہزار ایکڑ تھا لیکن ۳۲-۱۹۳۱ء میں ۲۹ لاکھ ۹۱ ہزار ہوگیا ہے۔

۲۔ شکرسازی کی فیکٹریوں کی کل تعداد اس وقت ۴۵ ہے۔

۳۔ جدید طریقہ سے مختلف صوبجات میں حسب ذیل مقدار میں شکر تیار کی جاتی ہے۔

صوبہ	۳۱-۱۹۳۰ء
۱۔ صوبہ متحدہ	۲۰۳۴۸۳۲ من
۲۔ بہار اوڑیسہ	۱۳۱۴۴۱۲ "
۳۔ دیگر صوبجات	۷۷۸۶۹۴ "

اس کے علاوہ دیسی طریقہ پر بھی تقریباً ۷۰ لاکھ من سفید شکر ہر سال تیار ہوتی ہے اور گڑ کی پیداوار ۱۱ کروڑ ۲۵ لاکھ ۸۰ ہزار من ہوئی۔

بیرونی ممالک سے ۳۰-۱۹۲۹ء میں شکر کی درآمد ۲ کروڑ ۵۲ لاکھ ۳۲ ہزار ۲۸۰ من تھی لیکن ۳۲-۱۹۳۱ء میں درآمد صرف ایک کروڑ ۴۴ لاکھ ۵۰ ہزار ۴۲۳ من ہوئی۔ اس سال محصول درآمد میں اور اضافہ ہو گیا ہے نیز بیرونی مال کے مقاطعہ کی تحریک بھی روز افزوں ترقی پر ہے اور ملک میں نیشکر کی کاشت بھی برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ شکر سازی کے جدید طریقے بھی اختیار کئے جا رہے ہیں اور حکومت کو بھی دیسی صنعتوں کی طرف سے وہ بیر اب نہیں رہا ہے جو پہلے تھا۔ اس لئے امید ہے کہ صنعت بہت جلد ترقی کرے گی اور بیرونی شکر کا بازار میں ہر طرح مقابلہ کر سکے گی۔

ممالک اسلامی

ترکی کا داخلہ جمعیت اقوام میں شروع جولائی میں جمعیت الاقوام کے اجلاس جنیوا میں اسپین نے تحریک کی کہ حکومت ترکی کو جمعیت میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے، یونان نے اس تحریک کی تائید کی اور ایک ہفتہ بعد جمعیت اقوام کی دعوت پر مجلس ملیہ نے اس میں شریک ہونا منظور کر لیا۔ اب صرف ریاستہائے متحدہ امریکہ اور روس کی حکومتیں ہیں جو مجلس اقوام میں شریک نہیں ہوئیں۔ بہرحال ترکی کے داخلۂ جمعیت اقوام کو ہر جگہ بنظر استحسان دیکھا جا رہا ہے۔ چند دن ہوئے میجر جنرل گرین ول ریری نے اس امر پر خاص طور سے زور دیا کہ گزشتہ جنگ میں ترکوں نے شام، فلسطین اور گیلی پولی کے معرکوں میں اپنی جسارت جنگ کا جو ثبوت دیا ہے وہ ہر طرح سے قابل تعریف ہے۔

۵ جون کے اجلاس میں مجلس ملیہ نے چند کاروبار مخصوص کر دئے ہیں جن میں محض ترک حصہ لے سکتے ہیں۔ اس قانون کا اثر اگرچہ صرف ۱۰۰ انگریز اور ۲ امریکن تاجروں پر پڑا ہے لیکن یونانیوں، اطالویوں اور ایرانیوں کی ایک کثیر تعداد کو ابھی سے روک دیا گیا ہے کہ وہ حجامت، ہوٹلوں میں ملازمت اختیار کرنے، شوفری، ترجمانی، صرافہ، جوتے اور کپڑے کی صنعت میں حصہ نہ لیں۔

عصمت پاشا کے سفر روس کے بعد (جس کا تذکرہ گزشتہ اشاعت میں آ چکا ہے) ترکوں نے

ایک تین سالہ صنعتی اسکیم پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لئے انھوں نے روس سے آٹھ لاکھ اور اٹلی سے ایک کروڑ چون لاکھ اسٹرلنگ قرض لیا ہے۔ اس رقم کا ½ حصہ کلوں کی فراہمی میں صرف کیا جائے گا' ¼ حصہ جمع رہے گا اور باقی ¼ سے ان آبدوز کشتیوں کی قیمت ادا کی جائے گی جن کو اٹلی میں تیار کرایا گیا ہے۔ شکرسازی کے لئے ایک اور کارخانہ قائم کیا جائے گا۔ یہ بھی ارادہ ہے کہ صنعت پارچہ بافی کو وسعت دی جائے اور کان کنی کے لئے مزید سہولتیں پیدا کی جائیں۔ ترکوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے ملک ہی کے لوہے سے آہنی صنعتوں کو ترقی دے سکتے ہیں۔ ارغانہ میدان سے جو تانبا برآمد ہوتا ہے اس کی مدد سے گولہ بارود کے لئے کسی دوسرے ملک کے محتاج نہیں رہیں گے۔ حکومت کی یہ بھی خواہش ہے کہ پیداوار، صنعت و حرفت اور افیم کی فروخت کو اپنے قبضے میں لے آئے۔ اس سے افیم کی ناجائز فروخت بڑی حد تک بند ہو جائے گی۔

گذشتہ دس سال میں صنعت و حرفت پر حکومت کی نگرانی برابر بڑھتی جاری ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ترکی حکومت اس معاملہ میں روس کی تقلید کرنا چاہتی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ترک کاروبار کی دنیا میں جلد سے جلد تجارتی قابلیت پیدا کریں۔ اس وقت تک حکومت تمباکو، نمک، مسکرات کے سرکاری اجاروں اور بہت سی ریلوں پر قبضہ کر چکی ہے اور اس نے متعدد کارخانے قائم کر رکھے ہیں جن میں بری اور بحری فوج کے لئے کپڑا تیار ہوتا ہے۔ بحری تجارت پر اس کا اثر برابر بڑھ رہا ہے اور بنکوں میں بھی زیادہ تر سرمایہ حکومت ہی کا ہے۔

صدارت شام | صدارت شام کے لئے پہلا انتخاب ۹ جون کو عمل میں آیا لیکن تھوڑی ہی دیر میں جلسہ منتشر ہو گیا۔ بالآخر ۱۱ جون کو وطن پسندان شام اور فرانسیسی حکام کے درمیان ایک مفاہمت ہو گئی جس کی رو سے احرار شام نے صدارت کے لئے چار نام پیش کئے۔ ان میں سے فرانسیسی حکام نے احمد علی بے کے انتخاب پر رضامندی کا اظہار کیا اور اس طرح ترکی حکومت کا یہ سابقہ عہدیدار جمہوریہ شام کا صدر مقرر ہو گیا۔

دستور لبنان کو جن وجوہ کی بنا پر معطل کیا گیا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہاں افسروں کی تعداد پانچ گنا زیادہ تھی اور ان کی تنخواہوں اور اخراجات کے لئے ضرورت سے زیادہ ٹیکس عائد کرنا پڑتے تھے۔ مزید براں انتظامات حکومت بھی قابل اطمینان نہیں تھے بلکہ "مجلس کا طرز عمل ایسا تھا کہ اس کے لکھنے سے قلم شرماتا ہے۔" بعض عہدیداروں کو چھ پنشنیں ملتی تھیں اس لئے کہ ان کا تقرر چھ مختلف عہدوں پر ہو چکا تھا۔ ابھی حال ہی میں اصلاحات لبنان کے لئے جو مطالبہ کیا گیا تھا اس میں اس چیز کا بالصراحت ذکر تھا کہ

جمہوریہ لبنان پر ایک عامل یا صدر کی حکومت قائم کی جائے جس کا تقرر بذریعہ انتخاب عمل میں آئے مجلس شوریٰ میں ارکین کی تعداد ۵ اسے زائد نہ ہو، تنخواہوں میں تخفیف کردی جائے غیر ضروری مناصب اور پنشنیں موقوف کردی جائیں اور ان کی بجائے ملک کی صنعت وحرفت میں اضافہ کیا جائے۔

اس وقت لبنان میں ارمنی پناہ گزینوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے جن کے لئے پختہ مکانات کا انتظام کیا گیا ہے۔ دس سال کے اندر یہ لوگ مکانات کی قیمت ادا کردیں گے۔ بالفعل ان کی تعمیر کا سارا خرچ جمعیت اقوام اور بعض مخیر انجمنوں کی وساطت سے پورا ہوا ہے ہماری رائے میں شام ولبنان کی "مسیحی نوآبادی" اور فلسطین میں فتنۂ صیہونیت یہ دو بڑی رکاوٹیں ہیں جو شام وفلسطین کی سیاسی ترقی میں حائل ہیں۔

عراق کی زرعی ترقی | عراق کا موسم اگرچہ ہمیشہ ہی سے غیر متعین ہے لیکن اس سال وہاں طوفان گرد وباد کا خصوصیت کے ساتھ زور رہا۔ گذشتہ سردیوں میں نسبتاً بارش بھی کم ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال کھجوروں کی پیداوار بہت کم ہے۔ علاوہ ازیں کھجوروں کی تجارت کے معاملے میں عراق کو ایران کا زبردست مقابلہ کرنا ہے۔ ایرانی حکومت کا یہ قانون ہے کہ برآمد ودرآمد کی مقدار ہر حالت میں یکساں رہے۔ شط العرب کے مشرقی کناروں پر جو کھجوریں پیدا ہوئی ہیں یعنی عراق عجم کے ذخیرہ خرما کی ہر جگہ مانگ ہے کیونکہ ایسا کرنے سے کھجوروں کے خریدار اپنا ۳۰ فی صدی مال ایران میں بھیج سکتے ہیں۔ حکومت ایران کا یہ رویہ عراق کی تجارت خرما میں ہر طرح حائل ہے لہذا تجویز یہ ہے کہ حکومت عراق کاشتکاروں کے لئے ایک زراعتی مدرسہ قائم کرے تاکہ وہ تجارتی ضروریات کو سمجھیں۔ عراق میں کاشتکاروں کا اثر زمینداروں پر نہایت قوی ہے۔ کاشت اجناس کے معاملے میں وہ تقریباً آزاد ہیں۔ ان کا رجحان زیادہ تر غلے کی پیدائش کی طرف ہے۔ زراعتی مدرسے کا یہ کام ہوگا کہ ان کو غلے کے علاوہ دوسری چیزوں کی پیداوار کی طرف بھی مائل کرے تاکہ ملک کی تجارتی حالت ٹھیک رہے۔

حکومت کا ارادہ دو "مزرعے" قائم کرنے کا بھی ہے ایک وسطی اور دوسرا شمالی عراق میں۔ موجودہ مزرعہ جو بغداد کے قریب ہے کچھ بہت زیادہ مفید ثابت نہیں ہوا۔ اس مزرعہ کی کاشت آب دجلہ سے ہوتی ہے لیکن فصل کی کاشت کے دنوں میں اس میں نمک کا عنصر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے جو اصول زراعت کی رو سے بہت کچھ نقصان رساں ہے۔

شمالی مزرعہ غالباً سلمانیہ کے قریب قائم کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا مقصد

اب شمالی کوہستانوں میں آمد و رفت کی سہولتیں پیدا کرتا ہے۔ عراق کی حکومت اگر اس مقصد میں کامیاب ہو گئی تو اس سے تجارت، صنعت و حرفت ہی کے لئے اچھے نتائج مترتب نہیں ہوں گے بلکہ گرمیوں کے دنوں میں صحت افزا مقامات کی تلاش میں لوگ شام و فلسطین کی بجائے شمال ہی کا رخ کیا کریں گے۔ خود امیر فیصل کا ارادہ اس مہینے وادی پنجوین میں قیام کرنے کا ہے۔

ابن رفادہ کی بغاوت | جدہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ابن رفادہ کی باغیانہ سرگرمیوں کا جنھوں نے ایک وقت میں نہایت تشویش انگیز صورت اختیار کر لی تھی اب خاتمہ ہو گیا ہے۔ ۲ اگست کی خبر ہے کہ امیر مذکور اپنے ۲۷۰ ہمراہیوں سمیت ایک دستے کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا۔

ابن سعود اور ابن رفادہ کی داستان رقابت بہت پرانی ہے۔ ان کی عداوت نے قدیم بدویانہ انتقام کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ابن رفادہ الاعور (یعنی یک چشم) شریف حسین کا دوست تھا اور سات برس ہوئے اس نے سلطان ابن سعود کے خلاف شریف حجاز کی امداد کی تھی لیکن شریف حسین کی ناکامی کے بعد سلطان ابن سعود نے اس کی جاگیروں کو ضبط کر لیا اور اس کو مع اس کے رفقا کے حجاز سے خارج البلد کر دیا جن میں سے اکثر شام و فلسطین یا کنعان کے صحراؤں میں بس گئے لیکن الاعور نے قاہرہ کی راہ لی اور وہاں بیٹھ کر انتقام کی تجویزیں سوچنے لگا۔

اب کے سال جب حجاز میں اقتصادی مشکلات رونما ہوئیں تو ابن رفادہ یہ سمجھا کہ انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ قاہرہ سے چپ چاپ غائب ہو جانے کے بعد وہ شمالی عرب اور حدود کنعان میں پہونچا۔ یہاں بہت سے شورش پسند جو سلطان ابن سعود سے ناراض تھے اس سے آملے۔ اکثر باغی قبائل نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اب ابن رفادہ کی ہمتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔ وہ نہ عقبہ پر ایک خفیہ مجلس مشاورت کے بعد سلطان نجد و حجاز کا یہ پرانا دشمن حجاز کی طرف بڑھا جہاں پہلے ہی سے لوگ علم بغاوت بلند کر چکے تھے۔ لیکن ابن رفادہ کی توقعات غلط ثابت ہوئیں۔ جن قبائل پر اس کو بھروسا تھا انھوں نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا اور ابن رفادہ نے بجائے تیزی سے کامیابی حاصل کرنے کے نواح عقبہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ سلطان ابن سعود نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور نہایت آسانی کے ساتھ باغیوں کا قلع قمع کر دیا۔ ابن رفادہ اور اس کے دونوں بیٹوں کے قتل کے ساتھ باغیان حجاز کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ سمجھنا چاہئے۔

ممالکِ غیر

اٹاوا کانفرنس رسالہ جامعہ کی کسی گذشتہ اشاعت میں واضح کیا جاچکا ہے کہ موجودہ کساد بازاری کے اسباب میں قوم پرستی کی معاشی انتہاپسندیوں کو بہت کچھ دخل ہے۔ تقریباً ہر قوم نے اپنے گرد محاصل کی ایک ایسی معاشی دیوار کھڑی کرلی ہے کہ بین الاقوامی کاروبار کے لئے سخت دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں حتیٰ کہ سلطنت برطانیہ کی مختلف ریاستوں نے بھی اپنی اپنی صنعت کو ترقی دینے کے لئے درآمد مصنوعات پر محاصل عاید کررکھے ہیں اور ایک برطانی نوآبادی دوسری برطانی نوآبادی کے خلاف معاشی میدان میں برسرِپیکار ہے۔

چنانچہ عام معاشی کساد بازاری کے دور کرنے کے لئے جو جو تدابیر کی جارہی ہیں ان میں سب سے اہم یہ کوشش ہے کہ قومیں روابط باہمی کی اہمیت کو تسلیم کرلیں، بیجا آئین سے باز آئیں اور محاصل عاید کرکرکے بین الاقوامی تجارت میں غیرضروری رکاوٹیں نہ پیدا کریں۔ لیکن سیاسی پیچیدگیاں اور قومی تعصبات اس تدبیر کو جلد کارگر نہیں ہونے دیتے۔ پھر بھی دنیا کی رائے عامہ قوم پرستی کی معاشی مضرتوں سے آگاہ ہوچلی ہے اور اس کا رجحان اس کے خلاف ہی ہے۔ شاید اگلے جاڑے میں ساری دنیا کی جو معاشی کانفرنس جنیوا میں ہونیوالی ہے اس میں اس صورت حال کی اصلاح کی کچھ تجاویز عملی جامہ پہن سکیں۔

لیکن مدبرین برطانیہ ہمیشہ سے ہوا کا رخ پہچاننے میں دوسروں سے کچھ آگے ہی رہتے ہیں اس بین الاقوامی سمجھوتے کا انتظار کئے بغیر برطانوی سلطنت کے مختلف ممالک کے نمائندے کنیڈا کے صدر مقام اوٹاوا میں جمع ہوئے تاکہ جہاں تک ہوسکے سلطنت کو ایک معاشی کل کی حیثیت دی جائے اور اس کے مختلف ٹکڑوں کی باہمی رقابتوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

چند ہفتے سے ساری دنیا کی نظریں اس اوٹاوا کانفرنس کے نتائج پر لگی تھیں ابتدائی جلسوں کے دل خوش کن زبانی جمع خرچ کے بعد جب اصلی مسائل پر غور و نظر کی نوبت آئی تو قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا تھا۔ برطانیہ کی عظمت کی بنیاد اس کی تجارت ہے، وہ اپنی نوآبادیوں سے بھی تجارت چاہتی ہے اور دنیا کے دوسرے ممالک سے بھی۔ وہ نوآبادیوں کی خاطر باقی دنیا کو آسانی سے کیسے چھوڑدے یا کیسے اپنا مخالف بنالے۔ نوآبادیاں بس اپنی اپنی صنعت کا خیال کرتی ہیں اور دنیا کی تجارت کو سلطنت کی تجارت کا رقیب سمجھتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ برطانیہ کی منڈی میں بس ان کا مال ہو، دنیا کے دوسرے ملک وہاں کچھ

نہ بھیج سکیں۔ لیکن اپنی منڈی میں وہ مصنوعات بس اپنی ہی چاہتی ہیں اور انگریزی صنعت تک پر رقیبانہ نظریں ڈالتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں انگریزی مال کو اکثر ترجیح دے رکھی ہے لیکن وہ محض برائے نام ترجیح ہے۔ اس لئے کہ انگریزی مال پر محصول درآمد ہر چند کہ دوسرے ممالک کے مال سے کم ہے تاہم اتنا زیادہ ہے کہ عملاً اس مال کی درآمد بند ہے۔

غرض ان دشواریوں کی وجہ سے اور مقاصد کے اس تفاوت کے ساتھ کسی کانفرنس کی کامیابی بس اسی حالت میں ممکن تھی کہ وقت کی ضرورتیں سمجھوتے پر مجبور کریں اور گفت وشنید کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے ہاتھ ہو جن کی معاملہ فہمی اور تدبر ان کے جذبات پر حاوی ہو۔ یہ دونوں شرطیں اوٹاوا کانفرنس میں موجود تھیں اور اس لئے باوجود تفصیلی اطلاعات کی کمی کے کہا جا سکتا ہے کہ اس کانفرنس کو برطانوی تاریخ تدبر میں ایک امتیازی جگہ مل سکے گی۔

اب تک جو اطلاعات ملی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) برطانیہ کی قومی حکومت نے برسراقتدار آتے ہی کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ تقریباً تمام درآمد پر جو دس فی صدی کا محصول لگایا تھا اور جس سے اس کانفرنس تک کے لئے نوآبادیوں اور ہندوستان کے مال کو مستثنیٰ کر دیا گیا تھا وہ سب مال اب بھی اس محصول سے بری رہے گا (۲) برطانیہ اور کنیڈا کے درمیان پانچ سال کے لئے معاہدہ ہوا ہے کہ برطانیہ کے مقابلہ میں کنیڈا اپنی صرف ان صنعتوں کو تامین بخشے گا جنھیں کامیابی کی معقول امید ہوگی دوسری صنعتوں کو تامین نہ دی جائیگی۔ کنیڈا محاصل کی ایک کمیٹی بنائے گا جس میں برطانوی اہل صنعت کو اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا پورا موقع دیا جائے گا اور برطانوی مصنوعات کی درآمد پر اگر کوئی غیر معمولی محصول ہوگا تو ملک کی مالی حالت بہتر ہوتے ہی وہ اٹھا لیا جائے گا۔

اس کے مقابلہ میں کینیڈا کا ڈیری (dairy) کا سامان تین سال تک برطانیہ میں بلا محصول جا سکے گا لیکن جب یہ مدت ختم ہو جائے گی تو برطانوی کسانوں کے مطالبہ پر پھر محصول لگ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ غیر ممالک کے مال پر یہ محصول عاید کرے گا: گیہوں پر ۲ شلنگ فی کوارٹر؛ مکھن پر ۱۵ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ؛ پنیر پر قیمت کے اعتبار سے ۱۵ فی صدی؛ کچے سیبوں پر ۴½ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ؛ پکے ہوئے (مربے) سیب پر شکر کے محصول کے علاوہ ۳½ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ؛ تانبے پر ۲ پینس فی پونڈ۔

غیر ممالک کی لکڑی، مچھلی، سیسہ اور کانسہ پر جو ۱۰ فی صدی محصول اس وقت ہے اس میں کمی کنیڈا کی مرضی کے بغیر نہ ہوگی۔ البتہ اگر نو آبادیاں یہ مال عام بازار کی قیمت پر فراہم نہ کرسکیں تو یہ محصول کم کیا جاسکتا یا ہٹایا جاسکتا ہے۔

کنیڈا کی تمباکو کو جو مراعات اس وقت حاصل ہیں وہ دس سال تک اور جاری رہیں گی۔

(۳) برطانیہ اور جنوبی افریقہ میں جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رو سے جنوبی افریقہ کے ڈیری کے سامان کو بھی وہی مراعات دی گئی ہیں جو کنیڈا کو۔ برطانیہ ان پردیسی پھلوں پر محصول عائد کرے گا جن کا منڈی میں جنوبی افریقہ کے پھلوں سے مقابلہ ہے۔ جنوبی افریقہ کے فائدہ کے لئے پردیسی سفیدکی پر ۱۰ فی صدی اور پردیسی تانبے پر ۲ فی صدی کا محصول عاید کیا جائے گا۔ اسی طرح اسپرٹ (Spirits) پر بھی ۲ شلنگ فی گیلن کا محصول لگے گا۔ جنوبی افریقہ کی تمباکو کو بھی دس سال تک موجودہ رعایتیں ملتی رہیں گی۔ اس کے بدلہ میں جنوبی افریقہ بعض برطانوی مال کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے گا۔ اس مال کی فہرست ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔

(۴) اسی طرح نیوزی لینڈ اور اسٹریلیا سے معاہدے ہوئے جن کی رو سے ان کی گوشت کی درآمد کو فائدہ پہنچے گا۔ برطانیہ نے یہ اصول پیش کیا ہے کہ پہلے وہ اپنے ملک میں گوشت کی پیداوار بڑھائے گا اور جو فاضل گوشت درکار ہوگا اس کے لئے ان دو نو آبادیوں سے درآمد کو ترجیح دے گا۔

(۵) ہندوستان سے بھی معاہدہ ہوا ہے۔ ہندوستانی مال بھی دس فیصدی والے عام محصول درآمد سے بری رہے گا اور پردیسی اسی پر جو اب بے محصول برطانیہ میں جاتی تھی دس فی صدی محصول عاید کردیا جائے گا تاکہ ہندوستانی اسی کو نفع ہو۔ بعض قسم کے پردیسی مال پر جو ہندوستانی مال کا مقابلہ کرتا ہے محصول بڑھا کر ہندوستانی مال کو ترجیح دی جائے گی۔ اس سے منجملہ اور چیزوں کے ہندوستانی کپاس، دریاں اور قالین، سن، رنگا ہوا چمڑا، نباتاتی تیل، صندل کا تیل، السی اور کھلی، چاول، مونگ پھلی، کافی، تمباکو (ارنڈی) کو فائدہ پہونچے گا۔ ہندوستانی لوہے کی درآمد کے متعلق لندن میں بعد کو گفتگو جاری رہے گی۔

اس کے عوض ہندوستان انگریزی موٹروں پر اور ممالک کے مقابلہ میں ۷½ فی صدی کم محصول لگائیگا اور بہت سی چیزوں پر ۱۰ فی صدی کی ترجیحی کمی کرے گا جن میں منجملہ اور چیزوں کے یہ قابل ذکر ہیں: تعمیر کا سامان، کیمیاوی سامان، ادویہ، چینی کا سامان، لکڑی کا سامان، لوہے کا سامان، بجلی کا سامان، چمڑے کا سامان، علمی اور طبی ضرورتوں کا جملہ سامان اور ان کے علاوہ المونیم، تانبہ، سیسہ، جرمن سلور، کانسہ، پیتل

اور ان کا سامان، ربر کا سامان۔ ان چیزوں کے علاوہ متفرقات کی بھی ایک طویل فہرست ہے جن پر ہندوستانی نمائندوں نے انگریزی مال کو ترجیح دینے کا معاہدہ کیا ہے! اسی طرح ہندوستان اور دوسری نوآبادیوں میں بھی معاہدے ہوئے ہیں جن کی تفصیلات ابھی معلوم نہیں ہوسکیں۔

الغرض جہاں تک برطانیہ اور اس کی نوآبادیوں کے تجارتی مفاد کا تعلق ہے یہ کانفرنس نہایت کامیاب ہوئی۔ البتہ آئندہ ساری دنیا کے معاشی معاملات کی اصلاح کے لئے جو کانفرنس ہوگی اس میں شاید یہ معاہدے کچھ رکاوٹیں پیدا کریں۔

انگلستان | انگلستان میں پچھلے دنوں سب سے اہم واقعہ مالیات عامہ کا وہ معجزہ ہے جو نیول چیمبرلین کے ہاتھوں تکمیل کو پہونچا، یعنی دنیا کے سب سے بڑے قرضۂ جنگ کو اس کے مالکوں نے ۵ فی صدی سے ۳½ فیصدی میں تبدیل کرالیا۔ یہ قرضہ ۲-۱ ارب ۸ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ کا تھا۔ یورپ میں اعتبار گھٹنے کی وجہ سے شرح سود زیادہ تھی، روپیہ ڈھونڈے نہ ملتا تھا۔ ایسے وقت میں انگلستان نے جو اپنی مالی حالت سدھارنے کے لئے پہلے اپنے زر کو معیار طلا سے غیر متعلق کرچکا تھا اب شرح سود کو گھٹایا۔ انگلستان کے قومی بنک نے شرح سود ۲ فی صدی کردی جو ۱۸۹۶ء کے بعد سب سے کم شرح سود ہے۔ اور وزیر مال نے اعلان کیا کہ ہم یہ قرضہ واپس کرنے کو تیار ہیں جو واپس لینا چاہے بتلادے اسے یکم دسمبر کو رقم واپس کردی جائے گی۔ جو واپس نہ لینا چاہے وہ اسے ۳½ فی صدی سالانہ سود پر پھر حکومت کو دے سکتا ہے۔ اور اگر اس طرح تبدیل کرنے کا ارادہ اعلان سے مہینہ بھر کے اندر خزانہ پر ظاہر کردیا جائے تو ایک فی صدی بونس دیا جائے گا۔

نتیجہ؟ ایک ارب ۸۵ کروڑ پونڈ کا قرضہ ۳½ فی صدی کے تمسکات میں تبدیل ہوگیا! بہت سے لوگوں نے مفاد قومی کی خاطر ایک فی صدی کا بونس نہیں لینا چاہا اور اطلاع نہیں دی، ان کا قرضہ مدت گذرنے پر خود بخود ۳½ فی صدی کے قرض میں بدل دیا جائے گا۔ کل ۴۸ کروڑ کی واپسی کی درخواستیں آئیں۔ انگلستان کی مالی ساکھ بڑھ کر کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور تمام سرکاری تمسکات کی قیمت میں معتدبہ اضافہ ہوگیا۔ علاوہ ازیں سود ہی سود میں انگلستان کو سالانہ ۲۰ کروڑ پونڈ کی بچت ہوگئی اور مالی حالت کو درست کرنے کے سلسلہ میں "قومی حکومت" کا یہ دوسرا بڑا قدم بہت کامیاب ثابت ہوا۔

جرمنی | ناظرین کو یاد ہوگا کہ پچھلے انتخاب عام میں جرمنی میں ہٹلر کی قومی اشتراکی جماعت کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی اور جرمن دارالشوریٰ میں منجملہ ۶۰۷ جگہوں کے ۲۳۰ اس جماعت نے حاصل کر لی تھیں۔ یہ جماعت اب دارالشوریٰ میں سب سے قوی ہے لیکن پھر بھی بلا دوسری جماعتوں کی مدد کے اپنی حکومت نہیں بنا سکتی اور دوسری جماعتیں اشتراک عمل کے لئے آمادہ نہیں۔ ان کے سردار ہٹلر کو نائب وزیر اعظم کا عہدہ پیش کیا گیا تو اس نے حقارت کے ساتھ اسے رد کر دیا۔ مگر بوڑھے صدر جمہوریہ ہنڈنبرگ نے اس سے حکومت قائم کرنے کے لئے نہ کہا اس لئے کہ اس کی رائے میں یہ اپنی حکومت سے فرقہ وارانہ مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور قومی مقاصد کو نقصان پہنچ جاتا۔ سچ یہ ہے کہ وزارت ترتیب دینے کا کام ہٹلر کی قومی۔ اشتراکی جماعت کے لئے ایسا سہل ہے بھی نہیں رائیں حاصل کرنا سہل ہے، حکومت کا چلانا مشکل۔ جو کوئی اتنا ہوشیار ہو کہ لوگوں کی بے اطمینانی سے فائدہ اٹھا سکے، موجودہ برائیوں کے مقابلہ میں موہوم امیدوں کے سبز باغ دکھا سکے، بلا تامل وعدے کر سکے، اور سادہ سے سادہ زبان میں انہیں زیادہ سے زیادہ مرتبہ دہرا سکے، جلوس نکلوا سکے اور اہل جلوس کے سلام لے سکے، وہ رائیں حاصل کر سکتا ہے۔ اور ہٹلر اور اس کی جماعت نے ان سب طریقوں سے پورا پورا کام لیا ہے۔ مگر حقائق سے دوچار ہو کر ان وعدوں کا پورا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی دشواری اب ہٹلر کی جماعت کو پیش ہے۔ اس وقت تک جرمنی کے قومی مصائب میں تاوان جنگ کا مطالبہ سب سے تکلیف دہ تھا۔ وہ جیسے تیسے پچھلی لوزان کانفرنس میں طے ہو گیا۔ اب قومی۔ اشتراکی اس مطالبہ کی منسوخی کے وعدے سے وہ کام نہیں لے سکتے جو وہ اب تک لیتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پروگرام میں مشکل ہی سے کوئی ایسی چیز ہے جو انہیں برسر اقتدار رکھ سکے۔ جہاں ان کے سر حکومت کی ذمہ داری پڑی ان کی یہ بنیادی کمزوری واضح ہو جائے گی۔ اس لئے ہٹلر نے خاصی دانشمندی کی کہ اس وقت حکومت میں حصہ نہیں لیا۔ ابھی کچھ دن اور یہ خیالی باتوں سے، یہودیوں کے خلاف نفرت کے جذبہ سے، ناقابل عمل وعدوں سے، اپنی قوم کے سادہ دل جمہور کا دل گرمائے گا اور اگر یہ جادو برابر اسی طرح اثر کرتا رہا جیسا کہ اب تک کر چکا ہے تو اس کی جماعت کی قوت اور بڑھ جائے گی اور یہ عملاً جرمنی کا "ڈکٹیٹر" بن جائے گا اور بہ نسبت ایک پارلیمنٹی جماعت کے جسے دوسری جماعتوں سے بھی قدم قدم پر سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ ایک ڈکٹیٹر بلا پروگرام کے ذرا زیادہ چل سکتا ہے لیکن وہ بھی بہت زیادہ نہیں!

... ...

نئی جرمن پارلیمنٹ کی اراکین کی جماعت وار تقسیم یہ ہے:-

ہٹلر کے قومی - اشتراکی	۲۲۹	بیچ کی جماعت (کیتھولک)	۷۶
سوشلسٹ	۱۳۳	بویریا کی پیپلز پارٹی	۲۰
کمیونسٹ	۸۹		

فان پاپن جو اس وقت وزیر اعظم ہے بیچ کی جماعت کا رکن ہے۔ عرصہ سے جرمنی کی حکومت کو اسی جماعت کے آدمی چلا رہے ہیں۔ فان پاپن سے پہلے جو وزیر اعظم فان بروننگ تھا وہ بھی اسی جماعت سے تھا لیکن وہ ذرا اشتراکیوں کی طرف جھکا ہوا تھا' فان پاپن قوم پرستوں کی طرف ہے۔ جو لوگ فان پاپن کو ناواقفیت کی وجہ سے انتہائی قوم پرست سمجھتے تھے وہ غلطی پر تھے۔ اس نے اپنے ہم جماعت بروننگ کی بہت سی ایسی کارروائیوں کو جو پسندیدہ نہ سمجھی جاتی تھیں برقرار رکھا' سیاست خارجہ میں اسی کے ڈالے ہوئے ڈھرے پر چلا اور قومی اشتراکی جماعت کی خامکاری کو قابو میں رکھنے کی پوری کوشش کی۔

اس نے قومی - اشتراکی رضاکاروں پر سے پابندیاں بیشک ہٹالیں لیکن یہ اور اس کے ساتھی پوری کوشش کریں گے کہ سیاسی قوت قومی اشتراکیوں کے ہاتھ میں نہ جائے۔ غالباً صدر جمہوریہ ہنڈنبرگ کے اشتراک عمل اور قومی اشتراکیوں کے علاوہ دوسری سیاسی جماعتوں کی مدد سے اس کی جماعت ابھی کچھ عرصہ اور برسر اقتدار رہیگی۔ جمہوری حکومت میں ایک ایسی جماعت کو بھی برسر اقتدار ہونے کا موقع ہوتا ہے جسے ۵۲۷ میں کل ۷۶ نشستیں حاصل ہوں!

سوئیتان | عدالت بین الاقوامی نے حال میں ایک فیصلہ صادر کیا ہے جس سے ان لوگوں کی بہت حوصلہ افزائی ہوگی جو بین الاقوامی معاملات کو پر امن طریق سے فیصل کرنے کے متمنی ہیں۔ کوئی ۱۲ برس سے فرانس اور سوئیتان میں شمالی سیوائے اور جنیوا کے قریب گکس کے علاقہ کے متعلق جھگڑا چلا جاتا تھا۔ عدالت نے سوئیتان کے موافق فیصلہ دیا ہے اور طے کیا ہے کہ ۱۸۱۵ء میں جو آزاد علاقے متعین کئے گئے تھے اور جنہیں فرانس نے ۱۹۲۳ء میں کالعدم کر دیا تھا وہ پھر قائم کئے جائیں۔ چنانچہ فرانس کو یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو اپنی چنگی کی سرحد پیچھے ہٹانی پڑے گی۔ عدل بین الاقوامی میں کم ایسا ہوتا ہے کہ حق کمزور فریق کی طرف مانا جائے۔ یہ فیصلہ مستثنیات میں سے ہے اور اس لئے لائق مبارکباد۔

ہسپانیہ | ابھی جمہوری انقلابی حکومت کو برسر اقتدار آئے ہوئے ہی کتنا عرصہ ہوا ہے (جمہوریت کا اعلان ۱۴ اپریل ۱۹۳۱ء
کو ہوا تھا) کہ ۱۰ اگست کو ہسپانیہ کے محرور المزاج لوگوں نے ایک دوسرے شاہی انقلاب کی تیاری کر ڈالی۔ بظاہر
بہت غور و فکر کے بعد اور کافی ساز و سامان کے ساتھ انقلابی حکومت کو اتارنے کے لئے شاہ پسندوں نے یہ کوشش
کی تھی جس میں معزول شاہ الفانسو اور اس کے بعض دولت مند مددگار بھی شامل تھے۔ میڈرڈ اور اشبیلیہ میں
شاہ پسندوں نے خاصا ہنگامہ برپا کیا۔ فوج کے بہت سے سردار، توپ خانے کا ایک حصہ، مذہبی جماعتوں کے بہت
سے حامی ان کے ساتھ ہو گئے لیکن جمہوری حکومت نے اس انقلابی کوشش کو بڑھنے نہ دیا اور جلد حالات پر
قابو پا لیا۔ شاہی انقلاب کی ناکامی کے ساتھ ہی ساتھ کمونسٹ جماعت نے بھی انقلاب کی ٹھانی۔ اور اشبیلیہ میں
مخالف اخباروں کے دفاتر، امراء کے محلات اور کلب گھروں کو آگ لگا دی لیکن اس انقلاب کی حیثیت آتشبازی
سے زیادہ نہ ہونے پائی اور حکومت کی افواج نے اس پر بھی قابو پا لیا۔ لیکن پولیس سے اس وجہ سے عین وقت پر
کام نہ لیا جا سکا کہ شاید وہ بھی کمونسٹ جماعت کے زیر اثر ہے۔

ہسپانیہ میں اس وقت تین جماعتیں ہیں: شاہ پسند، کمونسٹ اور جمہوری حکومت کے حامی۔ پہلی دو
جماعتوں نے اگست میں انقلاب کی ناکام کوشش کی اور تیسری نے کوئی پندرہ مہینے پہلے ایک کامیاب انقلاب
کیا تھا۔ ملک کی انقلابی تحریکوں کو ایک تو عام معاشی کساد بازاری کی وجہ سے فروغ ہوا، کچھ اس وجہ سے کہ
موجودہ حکومت نے مذہبی جماعتوں کی املاک ضبط کر لی ہے مذہبی لوگ برہم ہوئے؛ کچھ بادشاہ کے درباریوں اور
وفادار فوجی افسروں کی ریشہ دوانیوں نے زمین تیار کی اور کچھ اشتراکی تبلیغ انقلاب نے۔

لیکن موجودہ حکومت ان سب جماعتوں میں زیادہ با اثر ہے۔ اور ہسپانیہ میں عرصہ تک شاہی یا اشتراکی
انقلاب کے کامیاب ہونے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ البتہ ہسپانیہ کی اندرونی سیاست کا ایک مسئلہ اس حکومت کے
لئے بھی پریشان کن ہے کہ اس سے وحدت قومی کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ کیٹیلونیا
کا صوبہ خود مختاری چاہتا ہے۔ یہ مطالبہ اتنا شدید ہے کہ جمہوری حکومت نے اسے مان لیا ہے اور ہسپانی پارلیمنٹ
(Cortes) نے ۱۲ کے مقابلہ میں ۱۶۲ رایوں سے اسے منظور کر لیا ہے۔ پارلیمنٹ نے اس صوبہ میں کتالونی
اور کستیلی زبان کے حقوق کو بھی مساوی تسلیم کر لیا ہے حالانکہ اب تک کل ہسپانیہ کی قومی اور سیاسی زبان کستیلی
مانی جاتی تھی۔ حکومت نے کچھ تو اپنے جمہوری اصولوں کی وجہ سے ایسا کیا کچھ اس لئے کہ حکومت ابھی اتنی
قوی نہیں کہ اس شدید مطالبہ کا مقابلہ کر سکتی اور کچھ اس سبب سے کہ ان کے نزدیک اتحاد قومی کو قائم رکھنے

کے لئے اس مطالبہ کا ماننا ہی ضروری تھا ورنہ یہ مطالبہ قومی اغراض کی مخالفت کی شکل اختیار کر لیتا اور وجود قومی کو مستقل نقصان پہونچ جاتا۔ لیکن معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور اس مثال سے دوسرے صوبے بھی خودمختاری حاصل کرنے کا حوصلہ کر رہے ہیں۔

اٹلی | انجمن اقدام کی مجلس عاملہ نے اٹلی کے لئے نوآبادیاں حاصل کرنے کی جو تحریک چند ماہ ہوئے شروع کی تھی اس کو برابر قوت پہونچائی جا رہی ہے اور حال میں وزیر خارجہ سینیور گرانڈی نے اپنی تقریروں میں صاف صاف یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ افریقہ میں نوآبادیاں حاصل کرنے کی خاطر اٹلی دوسرے معاملات میں فرانس وغیرہ سے سودا کرنے کو تیار ہے۔ اٹلی کی آبادی بڑھ رہی ہے اور جن ممالک میں فاضل آبادی جا کر بستی تھی وہاں روز بروز پابندیاں بڑھنے کی وجہ سے یہ اب ملک ہی میں رہتی ہے اور ملک کے وسائل معاشی پر بار بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے اٹلی کی نظر افریقہ پر ہے۔ ابھی کسی ذمہ دار شخص کی طرف سے اس کا اظہار تو نہیں ہوا کہ یہ کونسا علاقہ چاہتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ جرمن ٹوگولینڈ اور خاصکر کیمرون پر اٹلی کے دانت ہیں اور اس کے لئے فرانس سے کوئی نہ کوئی سودا کرنا ضروری ہے۔

کساد بازاری کا اثر دوسرے ممالک کی طرح اٹلی پر بھی ہے لیکن مقابلۃً کم۔ اس لئے کہ فاشستی حکومت نے کام کی تنظیم اور کام کے مواقع پیدا کرنے کی بہت کوشش کی ہے اور ایک حد تک کامیاب کوشش۔ تعمیرات اور افتادہ زمینوں کو زیر کاشت لانے کی کوششیں وسیع پیمانہ پر ہو رہی ہیں۔ پونٹین کے دلدلوں کو ملیریا سے پاک کرنے کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے اور کوئی ایک لاکھ آدمیوں کو اس علاقے میں بسانے کے انتظامات اگلے جاڑے تک مکمل ہو جائیں گے۔ حکومت نے سٹہ بازی کو روکنے کی بھی کوشش کی ہے اور حال میں ساہوکارہ کا کام کرنے والے اداروں کی کانفرنس وزیر مال نے بلائی تھی کہ لوگوں کے سرمایہ کو محفوظ کاموں میں لگانے کے مواقع نکالے۔ اس کانفرنس میں اچھی کامیابی ہوئی اور فوری اثر یہ ہوا کہ قومی بنک نے کٹوتی کی شرح ۶ فی صدی سے گھٹا کر ۵½ فی صدی کر دی۔ ان سب کوششوں کا مجموعی اثر یہ ہے کہ بیکاری میں پہلے کے مقابلہ میں کمی ہے اور ملک کی معاشی حالت روبا صلاح۔

شذرات

اردو اکادمی کا پانچواں جلسہ یکم اکتوبر ۳۲ء بروز شنبہ ۳/۴ ۸ بجے شب کو بہ مقام تعلیمی مرکز نمبر الملحقہ جامعہ ملیہ قرول باغ منعقد ہوگا۔ جناب خواجہ غلام السیدین صاحب حسب ذیل موضوع پر ایک فاضلانہ مقالہ پڑھیں گے "تہذیب کا حقیقی مفہوم"۔
مقامی ارکان اکادمی اور دہلی کے دوسرے علم دوست حضرات کی خدمت میں علیحدہ دعوت نامے بھیجے جائینگے لیکن بیرونی اصحاب اسی اعلان کو دعوت نامہ تصور فرمائیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر بیروت کی امریکی یونیورسٹی کا ۳۲-۱۹۳۳ء کا سالنامہ ہے۔ اس یونیورسٹی کی ابتداء یوں ہوئی تھی کہ ۱۸۶۲ء میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی اس مشن نے جو شام میں کام کر رہی تھی ڈاکٹر ڈانیل بلس کو انگلستان اور امریکا بھیجا کہ شام میں ایک مشن کالج قائم کرنے کے لئے چندہ وصول کریں۔ ۱۸۶۶ء میں یہ کالج اس صورت میں قائم ہوا کہ ایک کرائے کے مکان میں سولہ لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ اس کے بعد یہ کالج رفتہ رفتہ ترقی کرتا رہا عام تعلیم اور فنی تعلیم کے مختلف شعبے یکے بعد دیگرے کھلتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں یہ یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ گیا اور اس کی ترقی کی رفتار بدستور جاری ہے۔

یونیورسٹی کی مجلس منتظمہ کے بارہ ارکان ہیں جو نیویارک میں رہتے ہیں لیکن اندرونی معاملات کی نگرانی شعبوں کے مجالس کرتے ہیں۔ شعبے دو ہیں، شعبۂ علوم ذہنی و علوم طبیعی اور شعبۂ طب۔ اس کے علاوہ بعض تعلیم گاہیں خاص مقاصد کے لئے قائم کی گئی ہیں اور یونیورسٹی سے ملحق ہیں۔ معلموں میں چند امریکی ہیں اور باقی شامی عیسائی خال خال مسلمانوں کے نام بھی نظر آتے ہیں۔

گذشتہ سال یونیورسٹی اور اس کی ملحقہ تعلیم گاہوں میں طلبہ کی کل تعداد ۱۲۸۱ تھی معلموں کی ۱۴۰ اور دفتر اور معمل وغیرہ کے ملازموں کی ۹۰۔ اب تک یونیورسٹی سے ۲۲۱۲ طلبہ اور ملحقہ تعلیم گاہوں سے ۱۱۵۲ فارغ التحصیل ہو کر نکل چکے ہیں۔

زمانۂ تعلیم عموماً ۴ برس اور طب کے شعبے میں ۵ برس ہے۔ یونیورسٹی میں تعلیم اکتوبر کے نصف اول میں شروع ہوا کرتی ہے اور چھوٹی چھوٹی تعطیلوں کے علاوہ سال میں دو تعطیلیں ہوتی ہیں ایک موسم بہار کی اپریل کے دوسرے ہفتے سے چوتھے ہفتے کے آغاز تک اور دوسری گرمیوں کی جون کے تیسرے ہفتے سے اکتوبر کے پہلے یا دوسرے ہفتے تک یعنی پڑھائی کا زمانہ سال میں آٹھ مہینے اور تعطیل کا چار مہینے ہے۔

مصارف کا اوسط زمانۂ تعلیم کے لئے تقریباً چار سو ڈالر یا بارہ سو روپے ہے اور چونکہ زمانۂ تعلیم آٹھ مہینے کا ہوتا ہے اس لئے ڈیڑھ سو روپے ماہوار کا خرچ سمجھنا چاہئے۔

مشرق کے اکثر ملکوں میں جدید تعلیم کو رواج دینے کا سہرا مسیحی مبلغوں کے سر ہے۔ ہندوستان میں بھی انگریزی تعلیم کے مدرسے ابتدا میں انہیں لوگوں کی کوشش سے کھلے تھے۔ ان حضرات کے جذبۂ خدمت کی جتنی تعریف بھی کی جائے کم ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کے قائم کئے ہوئے مدرسے کسی ملک کی صحیح تعلیمی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے۔ تعلیم صرف درس و تدریس کا نام نہیں بلکہ بچوں کو اپنی قومی اور ملی تہذیب کے رنگ میں رنگ دینا اس کا سب سے اہم فرض ہے اور فرض کے ادا کرنے میں مسیحی مبلغوں کے وہ مدرسے جو ایشیائی ملکوں میں قائم کئے جاتے ہیں قاصر رہتے ہیں۔ ان مدارس کے معلم عموماً باہر کے ہوتے ہیں۔ خیر اس میں کوئی ایسی برائی نہیں برا تو یہ ہے کہ ان مدرسوں پر غیر ملکی یعنی مغربی تہذیب کا رنگ سر سے پیر تک چھایا ہوا ہوتا ہے اور قومی اور ملی تہذیب کی حقارت یا کم سے کم اس کی طرف سے بے پروائی سکھاتے ہیں۔ اہل شام کو یقیناً ان حضرات کا ممنون احسان ہونا چاہئے جنھوں نے بیروت میں یہ یونیورسٹی قائم کر کے اعلیٰ تعلیم کی طرف رہنمائی کی ہے لیکن جلد سے جلد اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ ایک اپنی علیحدہ یونیورسٹی قائم کریں جو ان کی تعلیمی ضروریات کی کفیل ہو سکے۔ اس میں یہ مشکل ضرور ہے کہ شام سیاسی حیثیت سے آدھا تیتر آدھا بٹیر نہ تو پوری طرح آزاد ہے اور نہ یورپ کے کسی ملک کا اس حد تک پابند کہ وہ خود غرضی ہی کی بنا پر سہی مگر اہل شام کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام تو کرے۔ مگر اہل شام کو اگر اپنی حالت اور ضروریات کا صحیح احساس پیدا ہو گیا تو وہ اسی دو رنگی حکومت کی مدد سے یا اس کی مدد کے بغیر اپنی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک خالص قومی یونیورسٹی قائم کر لیں گے۔

کچھ دن ہوئے بیت المقدس کی مؤتمر اسلامی میں ایک تجویز یہ پیش ہوئی تھی کہ وہاں ایک مرکزی یونیورسٹی مسلمانوں کی تعلیم کے لیے قائم کی جائے۔ اگر یہ تجویز عمل میں آسکتی تو اہل شام کو اس سے بڑا فیض پہنچتا مگر خود مؤتمر ہی کچھ پنپنے نہ پائی جس کا سبب بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے بانی برطانوی سیاست کے آلۂ کار تھے اور ایک سیاسی چال چل رہے تھے جو کھل گئی اور چل نہ سکی اور بعض کہتے ہیں کہ محض مسلمانوں کے شہرۂ آفاق باہمی نفاق کی وجہ سے مؤتمر کا یہ حال ہوا۔ بہرحال یونیورسٹی کی مفید تجویز بھی فی الحال دب گئی ہے اور خدا جانے کب ابھرے گی۔

اردو کی سب کتابیں

آپ مکتبہ جامعہ سے طلب فرمائیں

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
قیمت فی پرچہ آٹھ آنہ

پرنٹر پبلشر محمد مجیب بی اے (آکسن)

نے

جامعہ برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شایع کیا